وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا

ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین

حج نمبر ۱۳ ھ

رمضان شوال

الفرقان لکھنؤ

محمد منظور نعمانی

حج نمبر

الفرقان!

لکھنؤ

جلد ۱۸	بابت ماہ رمضان و شوال سنہ ۱۳۷۰ھ	نمبر ۹-۱۰

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۲ گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات

الفرقان کا تیسرا "حج نمبر" آپکے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارے جن قارئین کی نظر سے گذشتہ دو سالوں کے حج نمبر بھی گذرے ہیں انھیں تو تفصیل سے معلوم ہو کہ یہ سلسلہ کیوں شروع ہوا، اور پھر کس تجربہ اور کس توقع نے پہلے کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے حج نمبر کی تیاری پر آمادہ کیا ——— لیکن دوسرے حضرات کیلئے مختصراً عرض کرنا ہو کہ اب سے تین سال پہلے حجاج کے بعض قافلوں کو اس حال میں دیکھ کر کہ ان کے افراد نہ حج کی رُوح و حقیقت سے واقف ہیں نہ اس کے مسائل و آداب سے، بلکہ وہ سفرِ حج کی عظمت کے احساس و ادراک سے بھی بالکل خالی اور عاری ہیں، پہلی مرتبہ دل میں اسکی تحریک پیدا ہوئی تھی کہ اِس بگڑی ہوئی حالت کی اصلاح کیلئے دوسری کوششوں کے علاوہ ایسے مضامین اور مقالات کی اشاعت کا بھی کوئی خاص انتظام کیا جائے جو عازمینِ حج کے قلوب میں سفرِ حج کی عظمت پیدا کرنے، حج کے ضروری مسائل و آداب سے ان کو واقف کرنے اور اسکی رُوح و حقیقت سے آشنا کرنے میں مفید ہوں ——— بس یہی اصل مرکزی خیال تھا جس نے تھوڑے سے غور و فکر کے مراحل طے کرنے کے بعد "حج نمبر" کی تیاری کی تجویز کی شکل اختیار کر لی اور ۱۳۶۸ھ کا پہلا "حج نمبر" اسی تجویز کا نتیجہ تھا، پھر جب حُسنِ اتفاق سے اللہ تعالیٰ نے اسی سال حضرت مدیر الفرقان کو اپنی آنکھوں سے یہ دکھا دیا کہ اللہ کے سیکڑوں یا شاید ہزاروں بندوں نے اس نمبر سے ہماری توقع اور تمنا سے بھی زیادہ فائدہ اُٹھایا، نیز بعض مشاہیر علماء اور اصحابِ نظر نے اپنے تجربہ کی شہادت [illegible] کی غیر معمولی افادیت اور تاثیر کا اعتراف فرماتے ہوئے سفرِ حج ہی میں حضرت مدیر کو یہ مشورہ دیا کہ اسی طرح حج نمبر آئندہ سال بھی بلکہ ہو سکے تو ہر سال نکالا جائے، تو گذشتہ سال ۱۳۶۹ھ میں دوسرا حج نمبر نکالا گیا، اور اب ۱۳۷۰ھ میں تیسرا حج نمبر پیش کیا جا رہا ہے۔

اس کا افسوس اور قلق ہے کہ اس مرتبہ اس کی اشاعت میں بہت زیادہ تاخیر ہو گئی اور اس سال کے جانے والے بیشتر حجاج جا چکے ہیں، پھر بھی ابھی چار جہاز باقی ہیں اور ان سے جانے والے کئی ہزار ہوں گے ——— اگر ان میں سے چندنے بھی اپنے سفر میں ہماری اس حقیر محنت سے فائدہ اُٹھا لیا تو انشاء اللہ ہماری محنت وصول ہے ——— علاوہ ازیں عازمینِ حج کے ماسوا عام ناظرین کے ایمانوں میں جو تازگی اس قسم کے مضامین سے آ جاتی ہو، اللہ و رسول کی یادگاروں کے ساتھ تعلق و محبت میں

جو اضافہ ہو جاتا ہے، اور سوز و گداز، ذوق و شوق کی جو کیفیات ـــــ خواہ چند لمحوں ہی کیلئے ـــــ جو پیدا ہو جاتی ہیں وہ بھی کچھ کم قیمتی نہیں ہیں۔

اس نمبر کے مضامین پہلی دونوں کوششوں کا جائزہ تو آپ تفصیل سے لے چکے ہیں، اب یہ تیسری کوشش آپ کے سامنے ہے اس کا بھی تفصیلی جائزہ تو آپ خود ہی لیں گے، مگر آیئے تفصیلی نظر ڈالنے سے پہلے ایک اجمالی نظر میں اس نمبر کے تمام مضامین اور ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی خصوصیات سے تعارف حاصل کرلیں، ممکن ہے یہ تعارفی الفاظ بعض مضامین کی تہ تک پہونچنے میں آسانی فراہم کریں۔

اس نمبر کا سب سے پہلا مضمون ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کا مقالہ "اسرارِ حج" ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون میں امام غزالیؒ کے اشارات کی رہنمائی میں حج و زیارت کے "اسرار" کو فاش کیا ہے۔ الفرقان کے ناظرین میں غالباً اکثریت ایسے حضرات کی ہوگی جو فارسی نہ جانتے ہوں گے اور ڈاکٹر صاحب کے مقالہ میں فارسی اشعار کی کثرت کی وجہ سے وہ اس سے پوری طرح لطف اندوز نہ ہو سکیں گے۔ ہم اپنے اُن ناظرین سے معذرت خواہ ہیں اور انھیں مشورہ دیتے ہیں کہ وہ فارسی اشعار کو بالکل نظر انداز کر کے بھی اس مقالہ کو پڑھیں گے تو خاص حد تک لطف اور فائدہ اٹھا سکیں گے۔

اس کے بعد دوسرا مختصر سا مضمون "حج کے تقاضے" راقم الحروف کے قلم سے ہے، جس کا مرکزی فکر یہ ہے کہ حج سے انسان کی زندگی میں کیا تغیرات ہونے چاہئیں، اور فی زمانہ وہ تغیرات کیوں ظاہر نہیں ہوتے؟ یہ مضمون اسی سوال کا مختصر سا جواب ہے۔ اس عنوان پر لکھنے کا حق دراصل وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو سعادتِ حج سے بھی مشرف ہو چکا ہو، اس لئے کہ تقاضوں کا تعلق احساس سے ہے، اور کسی عملی چیز کے متعلق جس قدر صحیح اور تفصیلی احساسات اس کے کرنے والے میں پیدا ہو سکتے ہیں محض سنکر یا کتابوں میں پڑھ کر جاننے والے میں نہیں پیدا ہو سکتے۔ پھر بھی اُمید ہے کہ حج کا ارادہ کرنے والوں کو اس مضمون سے حج کے تقاضوں کے شعور میں انشاء اللہ مدد ملے گی، اور اس سے جو اجمالی شعور پیدا ہوگا وہ تفصیلی شعور کا خدا نے چاہا تو زینہ ثابت ہوگا۔

تیسرا مضمون "آسان حج" خود حضرت مدیر الفرقان کا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ موصوف نے بہت کم لکھے پڑھے اپنے ایک مخلص دوست کو سامنے رکھ کر بہت ہی آسان زبان میں حج و زیارت کے متعلق تمام ضروری باتیں اس میں لکھ دینے کی کوشش کی ہے۔ حج و زیارت کے لئے ایسا کافی اور جامع ہونے کیساتھ اس قدر آسان اور عام فہم مضمون شاید تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکے، اور سچی بات یہ ہے کہ یہ ہر ایک کے بس کی بات بھی نہیں۔

چوتھا مضمون جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی کا ہے جو اس نمبر کا سب سے زیادہ مختصر مضمون ہے اس میں مولانا نے اپنے تجربات کی روشنی میں نہایت کارآمد اور پرمغز مشوروں سے نوازا ہے زبان اس کی بھی بہت آسان ہے اور شروع سے آخر تک مغز ہی مغز ہے۔

پانچواں مضمون "راہِ کعبہ کے احساسات وواردات" مولانا سید مناظر احسن گیلانی زید مجدہم کے قلم سے ہے، مولانا کے مضامین کو جو لوگ غور وخوض سے پڑھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ آپ کے مضامین میں کتنے بیش قیمت نکات اور عجیب وغریب معلومات مل جاتے اور فکر وتدبر کی کیسی کیسی نئی راہیں کھلتی ہیں، مگر یہ واقعہ ہے کہ عام طور پر لوگ اُن کے نامانوس طرزِ نگارش سے گھبرا جاتے ہیں یا تعقیداتِ لفظی میں اُلجھ کر گوہرِ معنی سے محروم رہ جاتے ہیں، اس قسم کے ناظرین کے لئے مولانا کے اس مضمون میں بھی یہ دشواریاں موجود ہیں، مگر ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس نمبر کے تمام ناظرین اس مضمون سے مستفید ہوں اس لئے اس کے تعارف میں قدرے تفصیل سے کام لیں گے تاکہ مولانا کے مدعا کی کسی قدر توضیح بھی ہو جائے اور پھر ناظرین اس کو ذہن میں رکھ کر اصل مضمون پڑھیں تو کچھ ان کے ہاتھ آجائے۔

مولانا روضۂ انور کی زیارت سے فراغت پاکر کعبۂ منور کا قصد فرماتے ہیں اور اس دربار کی حاضری کا لباس زیبِ تن کرکے صدائے لبیک اللھم لبیک کے ساتھ سواری پر سوار ہو جاتے ہیں یہ سفر کی بسم اللہ ہے اور منزل ابھی سیکڑوں میل دور، مگر یہ دوری خارج میں ہے باطن میں نہیں، باطن میں مکمل حضوری ہے، ادھ مولانا کی نگاہِ تصور کعبہ سے ہمکنار ہوکر مصروفِ طواف ہے یا ابتداء کی خبر تھی اور یا اب انتہا کی ہے، درمیان کا نہ ہوش ہے نہ اُس سے کچھ مطلب، راستہ میں کیا آیا کیا گیا کیا گذر چکا اور کیا گذرنے والا ہے، اس کا کوئی ذکر نہیں، بس منزل ہے اور منزل کی عظمت ومحبت کے گیت احساسات کا ہجوم ہے اور واردات کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ انھیں احساسات وواردات کو مولانا نے کاغذ پر بکھیر دیا ہے لیکن یہ احساسات وواردات دُور از کار یا نرے مجذوبانہ نہیں، بلکہ اس بیسویں صدی کے نئے مسائل اور نئے حالات سے ہم آہنگ اور اس صدی کے انسان خصوصاً مسلمان کی زندگی کی پیچیدگیوں اور ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں سے براہ راست تعلق [illegible]

اس وقت عالمِ انسان کی سب سے بڑی مصیبتیں دو ہیں۔ ایک بین الاقوامی سیاست کے تلاطم سے خوف وہراس اور دوسرے معاشی مصائب اور ان میں زیادتی کے خطرات اور پھر "نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد" کے فطری قانون کے پیشِ نظر آج کی مسلمان دنیا خوف وہراس کے اس دلدل میں اور سبھوں سے زیادہ پھنسی ہوئی ہے کیونکہ اس کو مکافاتِ عمل کے قانون نے اس دور کا "عضو ضعیف" بنا چھوڑا ہے ——— مولانا گیلانی کے یہ واردات اگر اس "عضو ضعیف" کے دل میں اتر جائیں تو خواہ ساری دنیا اس دلدل میں پھنسی رہ جائے مگر یہ باایں ہمہ ضعف نکل آئے گا ——— آیئے اب ان واردات میں سے کچھ سنیئے! فرماتے ہیں:-

"بہرحال آگے کی طرف جس وقت ہماری لاری تیزی کے ساتھ بھاگی چلی جارہی تھی اُسوقت

ہم باہر کے نہیں بلکہ بالکل اپنے اندرونی احساسات ہی کے دباؤ کے نیچے لوٹ پوٹ ہورہے تھے

پردے کے بعد پردے ہٹتے چلے جارہے تھے، اپنی جدۂ ماجدہ سیدہ ہاجرہ (ملکۂ مصر)

نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھیں، کرۂ زمین کے سب سے بڑے مقدس شہر البلد الامین کی

بنیاد رکھنے والی اپنی یہی ماں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سامنے سے گذر رہی ہیں" الخ

(صـ ۷۳)

حضرت ہاجرہ کے تصور کے ساتھ مولنا کا ذہن زمزم کی طرف منتقل ہوجاتا ہے اور اس کا پورا تاریخی واقعہ ذہن میں گھومنے لگتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"یاد آتا چلا جاتا تھا کہ پانی کا وہ زمزمی سوتا جس سے خدا ہی جانتا ہے کہ اسوقت تک

کتنے پینے والے پانی پی چکے ہیں اور آئندہ ہر سال آآکر رہتی دنیا تک پیتے چلے جائیں گے

اس پتھریلے خشک بیابان میں پانی کا یہ عجیب وغریب سوتا اسی پاک خاتون کی دوڑ دھوپ

کی بدولت برآمد ہوا تھا، سبق پر سبق مل رہا تھا، جہاں کوئی نہ تھا ایک ننھے سے شیرخوار

بچے کے ساتھ یہ بہادر عورت اسی سنسان وادی میں تن تنہا ہی نہیں بلکہ بھیانک ورڈراؤنی

راتوں کے گذارنے پر صرف اسی لئے آمادہ ہوگئی" الخ

صـ ۷۴

کس لئے آمادہ ہوگئیں؟ اس سوال کے جواب میں مولنا کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔ انھوں نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے

سوال کیا کہ "تم ہمیں کس پر چھوڑ چلے"۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اس کا جواب دیا "اللہ پر"۔ اس جواب کو سُنکر یہ خاتون بخوشی راضی ہوگئیں اور کہا "اذاً لا یضیعنا" (اچھا! تو پھر یقین ہے کہ اللہ ہمیں ضائع نہ ہونے دے گا)۔ اور اُنکی حالت یہ ہوگئی کہ کسی قسم کا خوف و اندیشہ اس پُرخطر سنسان وادی میں اپنی اس تنہائی گی بابت ان کے دل میں نہ رہا، حد یہ ہے کہ ان کے دماغ نے دانہ پانی کے مسئلہ کو بھی نظرانداز کردیا۔

ماضی کے اس واقعہ کی یاد کے ساتھ کعبہ کے تصور و خیال میں کھوئے ہوئے مسافر کو آج کی دنیائے اسلام بھی یاد آتی ہے اور اس کے متعلق رنج و ملال میں ڈوبے ہوئے چند احساسات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ——— کہہ اُٹھتے ہیں:-

"آہ! اسی شیر دل خاتون کی نسل سے پیدا ہونے والے اور انکی تاریخ پر فخر کرنے والے

ان کے کمالات کا گیت گانے والے مردوں کا کوئی ذہنی مشغلہ اکثریت و اقلیت یا

معاشی سہولت و دقت کے تذکروں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ حالانکہ جیسے ان

بیوی صاحبہ کو ان کے شوہر ابراہیم (علیہ السلام) اللہ پر چھوڑ کر گئے تھے اسی طرح

جس پیغمبر[1] کی اُمت میں مردوں کا یہ گروہ اپنے آپ کو شمار کرتا ہے انھوں (پیغمبر) نے بھی

ان کو (اُمت کو) اللہ ہی کی حفاظت میں بایں الفاظ کہ "اللہ ہی میرے بعد میری اُمت

کا نگراں ہے" دیا تھا۔ لیکن جن کی ماں نے تنہائی اور بے کسی کی اس تاریخی گھڑی میں

"رضیت باللہ" (میں خوش ہوں اللہ کے ساتھ) کے لنگر سے اپنے دل کو باندھا تھا اُسی

---

[1] حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔

ماں کے بچے جب گھبراتے ہیں اور مستقبل کے آنے والے دنوں ... ... کے متعلق

... کچھ فرضی تصورات خود گڑھتے ہیں ... ... خود بھی ڈرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ڈراتے ہیں

... ... تو ... ... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ کی انجانی باتوں کو واقعی وہ جانتے ہیں ۔"

ص ۷۴، ۷۵

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت کی اس حالت کو دیکھ کر مولنا سوچنے لگتے ہیں کہ کیا یہ لوگ ہاجرہ، ابراہیم اور محمد (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے رب کو نہیں مانتے؟ اگر واقعہ میں جب اسکے برعکس دیکھتے ہیں تو پھر اس بوالعجبی پہ حیران ہو کر کہتے ہیں :-

"وہ اللہ کو نہ مانتے تو بات ہی دوسری ہوتی، لیکن یہ مانتے ہوئے کہ کائنات کا شیرازہ ایک زندہ و بیدار، ہمہ اقتدار، ہمہ اختیار ہستی کے ساتھ بندھا اور پھندا ہوا ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں ... ... کہ وہ "ارحم الراحمین" ہے ... ... اپنے بندوں پر رؤف بھی ہے ... ... یہ ساری باتیں ان کے ایمان کے جوہری عناصر ہیں ... ... پھر ان ڈرنے والوں اور ڈرانے والوں کو سوچنا چاہئے کہ خالق کو معبود بنا لینے اور اسی کو اپنا اللہ ٹھہرا لینے کے بعد بھی اگر وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مصیبت جب آئے گی تو جیسے مشرکوں کے جھوٹے معبود غیر مفید بن کر رہ جاتے ہیں اسی طرح ان کا اللہ بھی مصیبت کی ان گھڑیوں میں کیا غیر مفید بن کر رہ جائے گا اور ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اللہ اللہ اگر واقعی صورت حال یہی ہے تو پھر مشرکوں کے معبودوں کو ان لوگوں کے معبود میں کیا فرق رہ جائے گا۔" ص ۷۵، ۷۶

اللہ تعالیٰ پر حضرت ہاجرہ کے ایمان و اعتماد کا فوری نتیجہ اور ثمرہ ان کے حق میں کیا برآمد ہوا اس کو تو عام طور پر لوگ جانتے ہی ہیں مگر ان کے اس یقین و اعتماد نے اُس وقت سے اِس وقت تک نسلِ اسمٰعیل کے حق میں انعاماتِ الٰہیہ کی کیسی ایمان افروز اور کتنی ضخیم تاریخ مرتب کر دی ہے اس کی طرف عام طور پر ہمارا خیال نہیں جاتا۔ مولنا کا یہ وجدانی مضمون اس کی طرف بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ جی تو چاہتا ہے مگر اس سلسلہ کے اقتباسات لینے کی گنجائش اب ان صفحات میں باقی نہیں رہی ہے۔ بہرحال اب آپ خود پڑھ لیں گے کہ کعبہ کے اردگرد کی پرخطر، پتھریلی اور تپتی سرزمین کے باشندوں کے امن و امان اور عزت و معاش کے مسائل کو اُس اللہ نے کس طرح حل فرما دیا جس پر اعتماد کر کے حضرت ہاجرہ نے متوکلانہ اور مومنانہ انداز میں یہ فقرہ فرمایا تھا :- "اچھا تو یقین ہے کہ اللہ ہمیں ضائع نہ ہونے دے گا۔"

اس مضمون کو صرف پڑھئے نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں میں اتار کر کوشش کیجئے کہ ——— آج کے پُرخطر دور میں جبکہ آپ کو اپنے چاروں طرف ذلت اور فقر و فاقہ کے مصائب اور خطرات نظر آرہے ہیں ——— آپ میں اپنی جدّہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ کے ایمان و اعتماد کی شان پیدا ہو، اور اگر آپ کو ان کی بسائی ہوئی پاک بستی میں جانا نصیب ہو تو ان کے اس رنگ میں رنگ جانے کی پوری کوشش فرمائیے ——— اس مضمون کے بعد اس نمبر کا آخری مضمون "زیارت کی اہمیت" مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی کے قلم سے ہے جس میں احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہؓ سے زیارت کی اہمیت اور تاکید پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد ایک طویل تبصرہ ہے جو بجائے خود ایک مقالہ ہے، اور چند نظمیں۔

پاکستانی احباب سے ضروری گذارش!

۱۔ الفرقان آپ سب حضرات کو ہر مہینہ پوری احتیاط سے ہم روانہ کرتے ہیں لیکن خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے پرچے ضائع ہو جاتے ہیں، آپ اگر اسکی اطلاع دیدیا کریں تو ہم بشرطِ امکان پرچہ دوبارہ روانہ کردیں گے۔

۲۔ بعض دوست دفتر الفرقان سے متعلق شکایات حاجی عبد الجبار صاحب کو کراچی، یا ادارۂ اصلاح و تبلیغ لاہور کو لکھتے ہیں ہر قسم کی شکایات براہِ راست دفتر الفرقان لکھنؤ کو لکھی جائیں۔ کراچی یا لاہور کو شکایات لکھنا بالکل بیکار ہے۔

۳۔ پاکستانی احباب کو الفرقان کے وی، پی ادارۂ اصلاح و تبلیغ لاہور سے روانہ کردیئے جاتے ہیں، اسکے سوا ہم انھیں کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ اسی طرح کراچی مندرجۂ ذیل پتہ پر آپ صرف منی آرڈر بھیجیں یا روپیہ جمع کریں، اس کے سوا دفتر الفرقان سے متعلق کوئی خط و کتابت کر کے ان حضرات کو پریشان نہ کیا جائے۔

۴۔ جب آپ الفرقان کا وی، پی وصول کریں یا کراچی کے پتہ پر رسالہ کا چندہ یا کتب خانہ کی کوئی رقم روانہ فرمائیں تو بلا تاخیر ایک کارڈ کے ذریعہ نمبر خریداری یا نمبر بیجک کے حوالہ کے ساتھ ہم کو اسکی اطلاع ضرور دے دیں۔

۵۔ رسالۂ الفرقان اور کتب خانۂ الفرقان کے سلسلہ کی جو رقم آپ ہم کو بھیجنا چاہیں وہ مندرجۂ ذیل پتہ پر کراچی بھیجیں ——— پتہ نوٹ فرمالیں:۔

جناب حاجی عبد الجبار صاحب

ایس، جے، اینڈ، جی، فضل الٰہی کمپنی

ساؤتھ نیپیر روڈ، کراچی۔ (پاکستان)

والسلام ناظم الفرقان لکھنؤ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

"اسرارِ حج!"

(از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب نے اسی عنوان سے ایک مقالہ گذشتہ سال (۱۳۶۹ھ) کے "حج نمبر" کے لئے بھی تیار فرمایا تھا، لیکن اس کا حج کے متعلق حصہ مدیر الفرقان کے کچھ سامان کے ساتھ مرادآباد جنکشن سے گم ہو گیا تھا اس لئے صرف زیارت سے متعلق حصہ اس میں شائع کر دیا گیا تھا جو حُسنِ اتفاق سے گم ہونے سے بچ گیا تھا۔

اب ڈاکٹر صاحب نے ناچیز کی استدعا پر حج سے متعلق یہ مقالہ از سرِ نو مرتب فرما کر مرحمت فرمایا ہے، جو ہدیہ ناظرین کرام ہے۔ مقالہ کا زیارت سے متعلق حصہ اگرچہ گذشتہ "حج نمبر" میں شائع ہو چکا تھا لیکن چونکہ وہ اسی کا گویا جز ہے اس لئے اس دفعہ پھر شائع کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرین کرام اس مقالہ سے خاص لذت و سُرور حاصل کریں گے۔ بہت سے اہلِ ذوق کے لئے ڈاکٹر صاحب کے مقالات "شرابِ طہور" کا حکم رکھتے ہیں۔

"مدیر"

حج زیارت کردن خانہ بود　　　　حج ربّ البیت مردانہ بود

(رومی)

صوفیائے کرام نے ہمیشہ مذہب کے ظاہری رسوم سے زیادہ زور اس کی باطنی رُوح پر دیا ہے، دین محمدیؐ کی یہی دو حیثیتیں ہیں:- ظاہری و باطنی!

"نیکی وطاعت کے ظاہری افعال سے قلب پر جو اچھے اثرات مترتب ہوتے ہیں ان کے احوال و کوائف کی تحصیل دین کی باطنی حیثیت یا تصوف کا مقصود اور نصب العین ہے۔"[1]

---

[1] شاہ ولی اللہؒ "ہمعات"

قرآنی تعلیمات سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصل چیز ظاہری رسوم نہیں بلکہ باطنی رُوح ہے۔ دیکھو قربانی کے سلسلہ میں حق تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے، کہ :۔

"نہ قربانی کا گوشت حق تعالیٰ کے پاس پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ تقویٰ یا پارسائی"[1]

یعنی حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی محض قربانی کر دینے یا خون بہا دینے سے نہیں حاصل ہوتی جب تک کہ اس قربانی کا مدار حق تعالیٰ کی محبت، اُن کی رضا جوئی، اور اُن کی قرب طلبی نہ ہو۔ اسی طرح دوسری جگہ واضح فرمایا گیا ہے، کہ :۔

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ

والیوم الآخر۔الخ (پ ۲-۴۶)

"نیکی اس کا نام نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو، بلکہ نیکی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان و یقین سے حاصل ہوتی ہے"

یعنی محض کسی سمت کو قبلہ بنا کر اس کی طرف منہ پھیر لینے سے انسان کے اندر نیکی نہیں پیدا ہو سکتی جب تک کہ اسکی بنیاد اللہ اور آخرت کے یقین و ایمان پر نہ ہو!۔

لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بھول نہ جانا چاہئے کہ قرآنی تعلیمات اور اسلامی تصوف کی رو سے دنیا میں جس طرح انسانی رُوح بغیر انسانی جسم کے نہیں پائی جاتی اور اس کے رُوحانی افعال کا اعتبار بغیر جسمانی افعال کے نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا میں خاص خاص افعال یا جسمانی حرکات اور احوال کے بغیر رُوح کا ارتقا اور اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اسی لئے صوفیائے کرام نے باطن کے ساتھ ظاہر کی حفاظت پر پورا زور دیا ہے اور متقدمین صوفیاء نے تصوف کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ

"وہ نام ہے تعمیر ظاہر و باطن کا"

بالفاظ دیگر دونوں کی اصلاح و درستی ضروری ہے، نہ ظاہر بغیر باطن کے اور نہ باطن بغیر ظاہر کے درست ہو سکتا ہے۔ ظاہر عنوان ہے باطن کا، جب کسی کے ظاہری افعال شرع محمدیؐ کے خلاف ہوں تو اس کو کوئی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اس کا باطن موافق و مطیع ہوگا، ظاہر تو تابع ہوتا ہے باطن کا، کیسے ہو سکتا ہے کہ باطن درست ہو اور اس کا اثر ظاہر پر نہ پڑے، یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح ظاہری افعال کا اثر باطن پر پڑتا ہے بلکہ ہر ظاہری عمل باطن کو متاثر کرتا ہے ولیم جیمس جیسے ماہر نفسیات نے تو اس حد تک زور دیا ہے، کہ :۔ "اگر تم باطن میں کوئی کیفیت یا جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کی ظاہری صورت پیدا کرلو تمہارا باطن متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا"۔ جیمس لینگ نظریہ کی تفصیلات سے آج کل جامعات کے طالب علم بخوبی واقف ہیں۔

---

[1] لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم۔

حج کے تمام اعمال پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مومن جس کا طرہ امتیاز حق تعالیٰ کی شدید محبت ہے، (والذین امنوا اشد حبا للہ) اپنے عشق و محبت کے جذبہ کو جو اس کے قلب کی گہرائیوں میں نہاں ہے ظاہری اعمال و اشکال میں ہویدا کرتا ہے تاکہ :-

"اس کے اس حال کا چرچا دنیا میں پھیلے، وہ بلند آواز سے لبیک کہتے ہوئے نعرے لگاتا ہے اور ان نعروں سے محبت کی چھپی دبی آگ کو بھڑکاتا ہے!"

چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ابراہیم خلیل علیہ السلام کے حج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

"باز ایشاں را حکم شد کہ در ہر سال یک بار خود را والہ و شیدا ساختہ دیوانہ وار و عاشق کردار برائے گردگشتن خانۂ محبوب خود برہنہ سر و برہنہ تن و برہنہ پا، ژولیدہ مو پریشاں حال و گرد آلودہ از شام بزمین حجاز رسیدہ گاہے برکوہ و گاہے بر زمین رو بروئے خانہ کردہ استادہ شوند ... گرد خانہ تجلی آشیانہ او طواف کنند و بار بار کنجہائے آں خانہ را بوسند و بہ لیسند"[1]

(پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ سال میں ایک دفعہ اپنے کو سرگشتہ و شیدا بنا کر دیوانوں کی طرح اور عشق بازوں کا وطیرہ اختیار کر کے محبوب کے گھر کے گرد ننگے سر ننگے پاؤں، اُلجھے ہوئے بال، پریشاں حالی کے ساتھ گرد میں اَٹے ہوئے سرزمین حجاز میں پہنچیں، اور وہاں پہنچ کر کبھی پہاڑ پر کبھی زمین پر محبوب کے اسی گھر کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوں ... اسی تجلی خانہ کے ارد گرد گھومیں اور اسکے گوشوں کو چومیں چاٹیں)۔

حج کے مناسک سے عشق و محبت کا یہی جذبہ ظاہر ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر طواف کعبہ، صفا و مروہ کے درمیان سعی، مزدلفہ کی آمد و رفت، عرفات میں قیام منیٰ میں ذبح و قربانی و تلبیہ و احرام وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے۔

اعمال حج کے ان ہی باطنی اسرار کو ہم یہاں امام الصوفیہ حجۃ الاسلام حضرت غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اشارات کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں :- ؎

زیں شہد یک انگشت رسانم بلبت
از لذت اگر محو نگردی تف کن!

---

[1] حج نمبر الفرقان بابت ماہ رمضان و شوال ۱۳۶۹ھ میں مولانا گیلانی کا مقالہ ص۱۱ -

حق تعالیٰ کے گھر کی زیارت کا شوق عاشق کے قلب میں بھڑک اُٹھتا ہے! جس قلب میں اس "شاہ خوباں" کا عشق نہیں وہ مردہ ہے، یا یوں کہئے:۔ ؎

دل کہ فارغ شد ز عشقِ آں نگار
سنگِ استنجائے شیطانش شمار!

عاشق کی نگاہ میں اب دنیا کی ساری لذتیں ہیچ نظر آنے لگتی ہیں۔ مال و دولت، جاہ و عزت، دوست و احباب اپنی دلفریبیاں کھو دیتے ہیں! "زندے" کا عشق اس کو مردوں کی محبت سے بیزار کر دیتا ہے اور وہ چیخ اُٹھتا ہے:۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار — عشق را با حیٔ جاں افزائے دار!
عشق زندہ در روان و در بصر — ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر!
عشق آں زندہ گزیں کو باقیست — وز شراب جاں فزایت ساقیست
عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیا — یافتند از عشق او کار و کیا!
غرقِ عشق شو کہ غرق است اندریں — عشقہائے اوّلین و آخریں!

(رومی)

اہل و عیال، دوست و احباب سے رخصت ہو کر جب وہ سوار ہوتا ہے تو اس کی نظر میں دارِ آخرت کی سواری آجاتی ہے، وہ اپنے جنازے کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے جس پر سوار ہو کر اس کو ایک روز آخرت کی طرف کوچ کرنا ہوگا اور وہ جانتا ہے کہ یہ دن کچھ زیادہ دُور تو نہیں ہو سکتا۔ ؎

کیس عمر بیک چشم زدن نقش بر آب است!

جب احرام کے لئے چادر خریدتا ہے تو اس کو وہ دن یاد آتا ہے جب اس کا تنِ بے جاں کفن میں لپیٹا جائیگا اور وہ بے حس و حرکت پڑا ہوگا! اب اس کا ساتھ دینے والے نہ دوست و احباب ہوں گے اور نہ اہل و عیال، صرف ایمان و عملِ صالح ہی اس کے ساتھ جائیں گے! وہ اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:۔ ؎

یا من بدنیاہ اشتغل — قد غرك طول الامل
الموت یاتی بغتۃً — والقبر صندوق العمل

(حضرت علیؓ)

سوچتا ہے کہ احرام کی چادر تو خانۂ کعبہ کے قریب پہنچ کر باندھنی پڑے گی، ممکن ہے کہ یہ سفر پورا نہ ہو سکے اور راہ ہی میں موت آجائے لیکن حق تعالیٰ سے ملاقات تو کفن میں لپٹے ہوئے ہی ہو گی! کفن کی اس چادر پر نظر کر کے شکستہ دلی کے ساتھ حق تعالیٰ سے عرض کرتا ہے:۔

"اللهم اغسل خطایای بماء الثلج والبرد ونق قلبی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وباعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب" (بخاری، عن عائشہؓ)

(ترجمہ) "اے اللہ میرے گناہوں کو برف اور اولے کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو گناہوں سے ایسا پاک کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے اور مجھ میں اور میرے گناہوں کے درمیان ایسا فاصلہ کر دے جیسا کہ مشرق و مغرب میں تو نے فاصلہ رکھا ہے۔"

جب اپنے شہر سے باہر نکل آتا ہے تو سوچتا ہے کہ اُس نے اپنے اہل و عیال اور وطن سے جدا ہو کر ایسا سفر اختیار کیا ہے جو کسی طرح دنیا کے اور سفروں کے بالکل مشابہ نہیں! اس سفر سے اس کا مقصود حق تعالیٰ ہیں، انکے گھر کی زیارت ہے انکی رضا و خوشنودی ہے، حق تعالیٰ ہی کی پکار پر، ان ہی کی توفیق سے، ان ہی کے شوق دلانے سے، ان ہی کے حکم پر وہ قطع علائق و ترک خلائق کرکے ان کے دربار کی طرف دیوانہ وار چل پڑا ہے، اس کی زبان پر ہے:-

بسم اللہ، ماشاء اللہ، حسبی اللہ، لا قوۃ الا باللہ

اللھم الیک خرجت وانت اخرجتنی!-

من کہ باشم کہ بداں خاطرِ عاطر گذرم
لطفہا می کنی اے خاکِ درت تاجِ سرم

(حافظ شیرازیؒ)

اس کو حق تعالیٰ سے پوری اُمید ہوتی ہے کہ وہ اس سفرِ شوق میں اس کے ساتھ ہوں گے، اس کے نگہبان اور مددگار رہیں گے، وہ حق تعالیٰ ہی کی دستگیری و رہبری سے اپنی منتہائے آرزو کو پائے گا، اپنے مولیٰ کے دیدار سے اپنی مراد کو پائے گا!- ؎

من ایں دستے کہ افشاندم ز کونین
بدامانِ تمنائے تو باشد!

(حزیں)

سوچتا ہے کہ اگر وہ منزلِ مقصود کو پہونچنے بھی نہ پایا اور راستہ ہی میں طعمۂ اجل مسمیٰ ہو گیا، پھر بھی وہ نثارِ دیار ہو گا! کیا حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے:-

"ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ"

(ترجمہ) "جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہوا کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا، پھر اس کو موت آپکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ!"

ہاں، اس راہ میں موت بھی اچھی! کہہ سکے گا! ؎

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم!
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اسی فکر و ذکر، اسی ولولہ و جنون میں وہ میقات پر پہونچ جاتا ہے، کپڑے اُتارتا ہے اور احرام کی چادریں باندھتا اور اوڑھتا ہے، ماسوائے آزاد ہو کر چیخ اُٹھتا ہے:-

لبیك اللّٰھم لبیك لا شریك لك لبیك

آنکھوں سے اس کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، دل سے سرد آہیں نکلتی ہیں، اور زبان سے یہ چیخ:-

مارا ز خاک کویت پیراہنی است بر تن!
آنہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

(جمالی)

جانتا ہے کہ لبیک کی یہ پکار حق تعالیٰ کی اس پکار کے جواب میں ہے، کہ:-

وأذن فی الناس بالحج (پ ۱۷ - ع ۱۳)

(ترجمہ) اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو

اور اس کا خیال عرصۂ قیامت کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا اور لوگ اسی طرح پکارے جائیں گے اور وہ اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ قیامت میں جمع ہوں گے اور حق تعالیٰ کی پکار کا جواب دیں گے پھر ان میں سے بعض مقبول ہوں گے اور بعض مردود! ابتدا میں تردد ہر ایک کو ہو گا، خوف و رجا ہر ایک کے سینہ میں ہو گی! دل ہی دل میں حق تعالیٰ سے کہتا ہے، کہ:-

کارے بجز گناہ نداریم یا حفیظ | عذرے بغیر آہ نداریم یا حفیظ!
ہر چند رو سیاہ و گنہ گار و مجرمیم | جز رحمت پناہ نداریم یا حفیظ!

(مجذوب)

توبہ و استغفار، تسبیح و تہلیل، ندامت و شوق، رجا و خوف میں اس کی ہر ساعت بسر ہوتی ہے، دل میں حسرتوں کا ہجوم ہوتا ہے اور وہ راہ کی صعوبتیں برداشت کئے بڑھتا جاتا ہے! کبھی کہتا ہے:- ؎

اللہ! کس قدر رہِ مقصود دور ہے | پیکِ خیال راہ میں تھک تھک کے رہ گیا

جدّہ کا قیام، ساتھیوں کی پریشانی اس کو متاثر نہیں کرتی، وہ تو "محوِ خیالِ یار" ہے:۔

وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مردے نکل پڑے
یہ مری جبینِ نیاز تھی کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

انتظار کی ساعتیں گذرتی جاتی ہیں اور وہ بیتابی میں گنگناتا جاتا ہے:۔

نظر ہے وقفِ غمِ انتظار کیا کہنا
کھنچی ہے سامنے تصویرِ یار کیا کہنا

(جگر مرادآبادی)

اب قافلہ مکہ معظمہ میں داخل ہو رہا ہے! "حرم مامون" میں پہنچ رہا ہے! من دخلہ کان امنا کی نوید اس کے کانوں میں گونجتی ہے۔ بلد امین میں داخل ہو کر وہ چیخ اٹھتا ہے:۔

ذرۂ خاکم و در کوئے توام وقت خوش است
ترسم اے دوست کہ بادے نہ برد ناگاہم!

(حافظ)

آگے بڑھ کر جب اس کی نظر بیت اللہ پر پڑتی ہے تو رب البیت کی تجلی سے اس کے ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں۔

آمد خبرے ز آمد او
من بعد خبر نماند ما را!

وہ "بیت" کو نہیں، گویا "رب البیت" کو دیکھ رہا ہے!۔

آنکھوں میں روئے یار ہو، آنکھیں ہیں روئے یار پر
ذرہ ہے آفتاب میں، ذرے میں آفتاب ہے

اسی ذوق و شوق کو لئے ہوئے وہ طواف کے لئے بڑھتا ہے، اس کے قلب میں تعظیم، خوف و رجا، عشق و محبت کے جذبات موجزن ہوتے ہیں، اس کا جسم خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف ہوتا ہے لیکن اس کی روح رب البیت کے گرد گھومتی ہے، اس کا دل حضرت ربوبیت کا طواف کرتا ہے، ان پر فدا ہوتا ہے، نثار ہوتا ہے، چیختا ہے:۔

یک جاں چہ متاعیست کہ سازیم فدایت
اما چہ تواں کرد کہ موجود ہمیں است!

جب حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے تو جانتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہے، اطاعت و فرمانبرداری، عبدیت و عبودیت کا اقرار کر رہا ہے، حجر اسود "یمین اللہ عزوجل فی الارض" ہے، حق تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے زمین پر۔

"یصافح بہا خلقہ کما یصافح الرجل اخاہ"، جس سے وہ اپنے بندوں کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں؛ وہ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عرض کرتا ہے:۔ ؎

یارب منم و دست تہی چشم پر آب — جاں دادہ و دل سوختہ و سینہ کباب

نامہ سیہ، و عمر تبہ، کار خراب — از روئے کرم بفضلِ خویشم دریاب

پھر کعبۃ اللہ کے پردہ کو پکڑتا ہے یہ سمجھ کر کہ حق تعالیٰ کے دامن کو پکڑ رہا ہے اور ملتزم سے چمٹتا ہے یہ سمجھ کر کہ حق تعالیٰ سے قریب ہو رہا ہے رو رو کر عرض کرتا ہے:۔ ؎

تو کریم مطلق و من گدا چہ کنی جز اینکہ نخوانیم
در دیگرے بنما کہ من بہ کجا روم چو برانیم
ہمہ عمر ہرزہ دویدہ ام خجلم کنوں کہ خمیدہ ام
من اگر بحلقہ تنیدہ ام تو بروں درفشانیم

(بیدل)

آپ کا دامن چھوڑ کر کہاں جاؤں، کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں، کس کے قدم پکڑ لوں؟ میری پناہ گاہ آپ ہیں، میرا ملجا و ماویٰ آپ کے سوا کون ہے؟ آپ کے کرم و عفو کے سوا میرا ٹھکانہ نہیں! آپ کا دامن نہ چھوڑوں گا جب تک کہ آپ اپنی رحمت سے میری سیہ کاریوں کو معاف نہ فرمائیں، اور آئندہ دامنِ امن میں پرورش نہ فرمائیں! حق تعالیٰ آپ کریم ہیں، درِ کریم پر عجز و نیاز کے ساتھ آیا ہوں، دیدۂ اشکبار کے ساتھ آیا ہوں، دردِ دل، نالۂ جاں آزار کے ساتھ آیا ہوں، اگر آپ دامنِ عفو میں پناہ نہ دیں تو کہاں جاؤں، کیا کروں!۔ ؎

یارب دلم از بار گنہ محزون است — جاں زار و دل افگار و جگر پر خون است

ہر چند گناہ من ز حد بیروں است — عفوت ز گناہ من بسے افزوں است

(دلاد)

صفا و مروہ کے درمیان جب وہ سعی کرتا ہے تو یہ احساس قلب میں لئے ہوئے کہ ایک فقیر، مسکین، حقیر و ذلیل غلام اپنے آقا، مالک، بادشاہ کے محل کے صحن میں بار بار چکر لگا رہا ہے، نظرِ کرم کا ملتجی ہے، زباں پر سوال ہی کہ:۔

"رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم"

بار بار گھومتا ہے اور آواز لگاتا ہی، کہ:۔

ے مسلم بروایت عبد اللہ بن عمرؓ۔

عبیدک بفنائک! مسکینک بفنائک! فقیرک بفنائک! سائلک بفنائک!

انت کریم رحیم وارحمنی واغفرلی یا رحیم یا کریم یا غفور!

جانتا ہے کہ کوئی سائل اس در سے محروم نہیں جاتا، یہ کریم کا دروازہ ہے، اس کو جو کھٹکھٹاتا ہے وہ اپنی مراد کو پاتا ہے:-

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے　　عاقبت زاں در بروں آید سرے

سایۂ حق بر سر بندہ بود　　عاقبت جویندہ یابندہ بود

چوں نشینی بر سر کوئے کسے　　عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

چوں ز چاہے میکنی ہر روز خاک　　عاقبت اندر رسی در آب پاک

عرفات کے میدان میں جب وہ قدم رکھتا ہے اور لوگوں کا اژدحام اور آوازوں کا بلند ہونا اور زبانوں کا اختلاف جب اس کو نظر آتا ہے تو اس کو میدانِ قیامت کا منظر یاد آتا ہے کہ اُس روز بھی ہر اُمت اپنے نبی کیساتھ اسی طرح جمع ہوگی اور اس کی پیروی کرے گی اور اس کی شفاعت کی اُمید کرے گی! اب وہ اضطرار کیساتھ حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور چیختا ہے:-

"یامن لا یشغلہ شان عن شان ولا سمع عن سمع ولا تشتبہ علیہ الاصوات، یامن لا تغلطہ المسائل ولا تختلف علیہ اللغات! یامن لا یبرمہ الحاح الملحین ولا تضجرہ مسئلۃ السائلین! اذقنا برد عفوک وحلاوۃ رحمتک!!"

(ترجمہ) اے وہ ذاتِ مطلق کہ جس کو ایک حال دوسرے حال سے نہیں روکتا اور نہ ایک عرض کا سننا دوسرے عرض کے سننے سے باز رکھتا ہے، اور نہ مشتبہ ہوتی ہیں اسپر آوازیں! اے وہ ذاتِ مطلق کہ جس کو بہت سے سوال مغالطہ میں نہیں ڈال سکتے اور نہ مختلف ہیں اس کے نزدیک بہت سی زبانیں! اے وہ ذات پاک جس کو ہٹ کرنیوالوں کا اصرار تھکا نہیں دیتا، اور مانگنے والوں کا سوال تنگ نہیں کرتا ہم کو اپنے عفو کی ٹھنڈک اور رحمت کی حلاوت سے آشنا کر!۔　　(دعائے خضر علیہ السلام)

پھر رو رو کر کہتا ہے:-

"الٰہی! انت انت وانا انا، انا العواد الی الذنوب وانت العواد الی المغفرۃ! الٰہی ان کنت لا ترحم الا اھل طاعتک فالی من یفزع المذنبون!"

(ترجمہ) حق تعالیٰ آپ آپ ہیں اور میں میں ہوں! میں گناہوں کی طرف بار بار پلٹتا ہوں اور آپ مغفرت کی طرف بار بار رجوع کرتے ہیں! حق تعالیٰ اگر آپ اپنے طاعت والوں ہی پر

رحم کریں، تو گنہ گار کس طرف ملتجی ہوں ؟!"

"الٰھی تجنبت عن طاعتك عمدًا وتوجهت الی معصيتك قصدًا فسبحانك ما اعظم حجتك علیّ وما اکرم عفوك عنی، فبوجوب حجتك علی وانقطاع حجتی عنك وفقری الیك وغناك عنی الا غفرت لی! یاخیر من دعاه داع وافضل من رجاه راج، بحرمة الاسلام وبذمة محمد علیه السلام اتوسل الیك فاغفرلی جمیع ذنوبی واصرفنی عن موقفی هذا مقضی الحوائج وهب لی ما سالت وحقق رجای فیما تمنیت!!"

(ترجمہ) حق تعالیٰ میں آپ کی اطاعت سے قصداً علیحدہ رہا اور آپ کی نافرمانی پر دانستہ متوجہ ہوا، آپ پاک ہیں! آپ کی حجت مجھ پر کتنی بڑی ہے اور آپ کا مجھے معاف کرنا کتنا بڑا کرم ہے، پس جس صورت میں کہ آپ کی حجت مجھ پر ضروری ہوئی، میری حجت آپ کے ہاں جاتی رہی، میں آپ کا محتاج ہوں، اور آپ مجھ سے بے پروا و بے نیاز، آپ مجھے معاف ہی فرما دیجئے! اے ان سے بہتر ذات جن کو کوئی دعا مانگنے والا پکارے، اور افضل ان سے جن سے کوئی توقع رکھنے والا توقع رکھے! اسلام کی حرمت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کا وسیلہ تیرے سامنے پیش کرتا ہوں، میرے سارے گناہ بخش دیجئے اور مجھے اس موقف سے حاجتیں پوری کر کے لوٹائے اور جو کچھ میں نے مانگا مجھے دلا دیجئے اور جس چیز کی میں نے تمنا کی اس میں میری توقع پوری کیجئے!۔

پھر چلاتا ہے درد بھرے دل سے:۔

"الٰھی من مدحك لك نفسه فانی لائم نفسی! الٰھی اخرست المعاصی لسانی فمالی وسیلة من عملی ولا شفیع سوی الامل! الٰھی انی اعلم ان ذنوبی لم تبق لی عندك جاهًا ولا للاعتذار وجهًا ولکنك اکرم الاکرمین الٰھی ان لم اکن اهلًا ان ابلغ رحمتك فان رحمتك اهل ان تبلغنی ورحمتك وسعت کل شئ وانا شئ! الٰھی ان ذنوبی وان کانت عظامًا ولکنها صغار فی جنب عفوك، فاغفرها لی یاکریم![1]"

(ترجمہ) الٰھی! جو تیرے سامنے اپنی تعریف کیا کرے میں تو اپنے نفس کو ملامت

[1] یہ سب دعائیں احیاء العلوم باب نہم سے لیگئی ہیں۔ (فلیوجم)

کرتا ہوں! الٰہی گناہوں نے میری زبان گونگی کر دی، پس مجھ کو اپنے عمل کا وسیلہ نہ رہا اور نہ سوا اُمید کے اور کوئی سفارش کرنے والا! الٰہی مجھے معلوم ہے کہ میرے گناہوں نے تیرے نزدیک میری قدر کچھ باقی نہ رکھی اور نہ عذر کرنے کی کوئی صورت چھوڑی لیکن تو تمام کریموں سے زیادہ کریم ہے! الٰہی اگر میں اس قابل نہیں کہ تیری رحمت تک پہنچوں تو تیری رحمت تو شایاں ہے کہ مجھ تک پہنچے! الٰہی تیری رحمت ہر چیز کو شامل ہے اور میں بھی ایک چیز ہوں! الٰہی اگرچہ میرے گناہ بڑے ہیں لیکن ترے عفو کے مقابلے میں چھوٹے ہیں! میرے گناہوں سے درگزر کر اے کریم!!"

جانتا ہے کہ یہ وہ مبارک مقام ہے جہاں حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور ان رحمتوں کو وہ قلوب جذب کرتے ہیں جو اس میدان میں موجود ہوتے ہیں، یہ ابدال و اوتاد کے قلوب ہیں، ان صالحین کے قلوب ہیں جو حق تعالیٰ کے آگے سربسجود ہیں، ان کے حضور میں دست بستہ ذلت و مسکنت کے ساتھ گڑگڑا رہے ہیں! رحمت الٰہی کے جذب کا اس سے زیادہ قوی و موثر کوئی طریقہ نہیں کہ:-

"ان ابرار کی ہمتیں اکٹھی ہوں اور ایک وقت میں ایک زمین پر قلوب ایک دوسرے کی مدد کریں!"

اس ادراک کے ساتھ ہی اس کی زبان سے یہ چیخ نکلتی ہے:-

غم ناکم و از در تو باغم نروم　　جز شاد و اُمیدوار و خرم نروم
از درگہ ہچو تو کریمے ہرگز　　نومید کسے نرفت و من ہم نروم

(ابو سعید)

اسی لئے کہا گیا ہے، کہ:-

"عرفات کے شریف میدان میں آکر یہ سمجھنا کہ حق تعالیٰ نے میری مغفرت نہیں کی سب سے بڑا گناہ ہے"

رحمت اینجا کہ کند وسعت خود را اظہار
ہر کہ تقصیر نہ کر داست گنہ گار تر است!

رمی جمار کے موقع پر احرام باندھتے وقت اپنے اس قول کو یاد کرتا ہے کہ:-

"لبیک حجۃ حقا تعبدا ورقا"[1]

---

[1] میں حاضر ہوں حج کے واسطے حقیقت میں بندگی اور غلامی کی راہ سے (دار قطنی در علل بروایت حضرت انس رض)۔

اور محض اپنی غلامی و بندگی کے اظہار کے لئے امر کی اطاعت کا قصد کرتا ہے، اور محض تعمیل ارشاد و امتثال امر آلٰہی کیلئے رمی کرتا ہے، جانتا ہے کہ اس فعل میں نہ تو نفس کو کوئی حظ ہے اور نہ عقل کو! اپنی عقل اور نفس کو حق تعالیٰ کے حکم پر قربان کرتا ہے، اور دیوانہ وار "اقامت ذکر اللہ"[1] کیلئے شیطان پر کنکر مارتا ہے اور زبان سے کہتا جاتا ہے:-

اللہ اکبر علی طاعة الرحمن ورغم الشیطان تصدیقاً بکتابک

واتباعاً لسنة نبیک

جب قربانی[14] کرتا ہے تو جانتا ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم پر وہ اپنی بھی جان قربانی کے جانور کی طرح فدا کرنے کو تیار ہوگا بلکہ عاشق کی زندگی تو ہر "زماں مردنی" ہے، وہ اپنی جان کو ہر دم فدا کر ہی رہا ہے:-

اے حیاتِ عاشقاں در مردگی — دل نیابی جز کہ در دل بردگی

ما بہا و خوں بہا را یافتیم — جانبِ جاں باختن بشتافتیم

عاشقاں را ہر زمانے مردنیست — مردنِ عشاق خود یک نوع نیست

او دو صد جاں دارد از نورِ ہدیٰ — واں دو صد را می کند ہر دم فدا

ہر یکے جاں را ستاند دہ بہا[2] — از نبی خواں عشرۃ امثالہا

(رومی)

غرض حج کے اعمال میں دل کا وظیفہ یہ ہے جس کا اجمالاً اوپر ذکر ہوا، قلب کی یاد کے ساتھ حج کے اعمال وہی ادا کرتا ہے جس کے دل پر حق تعالیٰ کی محبت و غلامی کا داغ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جس غلام کو خود بادشاہ خریدتا ہے اس کا مرتبہ سوا ہوتا ہے۔

داغِ غلامیست کرد پایۂ خسرو بلند

صدر ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید

---

[1] انما جعل الطواف بالبیت والسعی بین الصفا والمروة ورمی الجمار لاقامة ذکر اللہ لا لغیرہ یعنی طواف کعبہ اور سعی درمیان صفا و مروہ اور کنکروں کا پھینکنا ذکر اللہ کے قائم رکھنے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ (ابو داؤد و ترمذی بروایت حضرت عائشہؓ)۔

[2] دہ مانند آں، اشارہ بآیۂ من جاء بالحسنة فلہ عشر امثالها۔ (سورۂ الانعام)۔

"زیارت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اوکد مستحبات و افضل قربات سے ہے، اور صاحب قدرت کے لئے قریب واجب کے ہے[1]!"

خوش آنکہ بندم در رہت برناقہ محمل از وطن!
خیزم چو گرد افتم چو اشک، ایکم بسرِ غلطم بر تن

(اوحدی)

مدینۂ رسول کی راہ میں درود کے شغل سے بہتر کوئی شغل نہیں۔

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

من صل علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشراً

(مسلم)

اس راستے کو درود و سلام کے وردہی میں ختم کرنا چاہیے، حبِ نبوی کا تقاضا یہی ہے۔ ؎

من مذھبی حب النبی وصحبہ

وللناس فیما یعشقون مذاھب

جب مدینۂ منورہ کی دیواروں پر نظر پڑتی ہے تو عاشق کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ یہ وہ مبارک شہر ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لئے پسند فرمایا ہے، اور اس کو ان کا دارالہجرۃ بنایا ہے۔ یہ وہ مقام مقدس ہے جہاں آپ نے حق تعالیٰ کے فرائض و سنن مشروع فرمائے، اعدائے دین سے جہاد کیا اور حق تعالیٰ کے دین کو ظاہر کیا، اسی پاک زمین میں آپ نے اپنی زندگی بسر فرمائی، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں بلا لیا اور

[1] مولانا صدیق حسن مرحوم، در الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ صـ ۱۱۵ ۔

آپؐ کی قبر مطہر اس میں مقرر فرمائی، اور آپؐ کے دُو وزیر جو آپؐ کے احکام کی بجا آوری میں کامل تھے آپؐ ہی کے پہلو میں آرام فرما رہے ہیں! اس خیال کے آتے ہی وہ فرطِ مسرت سے پُکار اٹھتا ہے :- ؎

من و یثرب کہ بہ از نور بود خاک انجا! باشد از مہر مبیں سایۂ افلاک انجا!

شرفے خاک رہش است کہ تا بودنِ آب از تیمم شود اعضائے وضو پاک انجا!

بحرِ رحمت شود آں قطرہ کہ از مے ریزد چوں کند تابِ سفر جبہۂ عرقناک انجا!

صاحبش راست جنابے کہ زبس تعظیمش بال جبرئیل برو بدخس و خاشاک انجا!

(مولوی احسان اللہ ممتاز)

جب عاشقِ رسولؐ مدینۂ منورہ کی پاک زمین پر قدم رکھتا ہے تو اس کی زبان سے بے اختیار نکلتا ہے :- ؎

اندر دو جہاں کعبۂ ما کوئے محمدؐ

محرابِ دل و جاں خمِ ابروئے محمدؐ

وہ دیوانہ وار حق تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ ؎

اللہ! ایسے جذبِ محبت کو کیا کروں!

رگ رگ کو جس نے درد بھرا دل بنا دیا

ہر قدم پر وہ یہ سوچتا ہے کہ اس مقام پر آقائے نامدارؐ کے قدم پڑے ہوں گے، قدم اٹھاتا ہے، پھر ٹھہر جاتا ہے، بڑھتا ہے، پھر تھم جاتا ہے۔ ؎

ترے کوچے میں، ہم کل اس طرح سے جا بجا ٹھہرے

چلے، چل کر تھمے، تھم کر بڑھے، بڑھ کر ذرا ٹھہرے

اس گلی کے ہر ذرّے کو وہ اپنا دل سمجھتا ہے۔ ؏

ہم اس کوچے کے ہر ذرّے کو اپنا دل سمجھتے ہیں!

تجلّیات جب اس کو آگے قدم بڑھانے نہیں دیتیں، تو وہ چیختا ہے۔ ؎

پایم بہ پیش از سرِ ایں کو نمی رود

یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہِ کیست

(نظیریؔ)

اسی محبت کی تجلّی میں وہ دیکھتا ہے، کہ :- ؏

کوچۂ جاناں کا ہر ذرّہ چراغِ طور ہے!

اپنے محبوب کا وہ خیال کرتا ہے، حق تعالیٰ نے اپنی معرفت کس درجہ آپ کو عطا فرمائی تھی! آپ کے ذکر کو کس درجہ بلند فرمایا تھا کہ اپنے ذکر کے ساتھ اس کو ملا دیا تھا، رفعنا لک ذکرک کی نوید سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا! آپ کی تعظیم کے ترک کرنے پر کیسی وعید فرمائی تھی، گو آپ کی آواز پر اپنی آواز ہی کے بلند کرنے سے وہ ترکِ تعظیم کیوں نہ ہو! حبطِ اعمال اس کی سزا تھی!۔ پھر نظامیؒ کے الفاظ میں وہ اس طرح ثناخواں ہوتا ہے۔ ؎

شمسہ نہ مسندِ ہفت اختراں — ختم رسل خاتم پیغمبراں!
احمدِ مرسل کہ خرد خاک اوست — ہر دو جہاں بستۂ فتراک اوست
امّی گویا بہ زبانِ فصیح — از الف آدمؑ دمیم مسیحؑ
اے تنِ تو پاک تر از جانِ پاک — رُوحِ تو پروردۂ رُوحی فداک
اے مدنی برقع و مکی نقاب — سایہ نشیں چند بود آفتاب
اے گوہر تاج فرستادگاں — تاج دہ گوہر آزادگاں

پھر وہ خیال کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان نیک بختوں پر کتنا بڑا احسان فرمایا، جنھوں نے آپ کی صحبت پائی، اور مشاہدۂ جمال، استماعِ اقوال و ملاحظۂ احوال سے سعادت حاصل کی، اور اپنے حال پر آنسو بہاتا ہے کہ یہ دولتِ سرمدی مجھے نصیب نہ ہوئی، اور نہ آپ کے اصحابِ کرامؓ کی صحبت ملی! دنیا میں تو آپ کو نہ دیکھا، آخرت میں بھی شاید آپ کی زیارت نگاہِ حسرت ہی سے ہو اور اعمالِ بد کے باعث آپ ہمیں قبول نہ فرمائیں، کیونکہ آپ کا ارشاد مبارک ہے، کہ:۔

"قیامت کے روز کچھ لوگوں کو فرشتے دوزخ کی طرف لے جائیں گے، جن میں اپنی امّت کی بعض نشانیاں دیکھ کر میں حق تعالیٰ سے عرض کروں گا، حق تعالیٰ یہ میرے لوگ ہیں! حکم ہوگا کہ نہیں، تمھیں نہیں معلوم کہ تمھارے بعد انھوں نے کیا کام کیے ہیں" تب میں کہوں گا کہ مجھ سے دُور ہو! مجھ سے دُور ہو!"

(رواہ الشیخان)

یہ حال اُن لوگوں کا ہوگا جنھوں نے شریعتِ مطہرہ کی توقیر نہیں کی، سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قدر نہ سمجھی، اور بدعت کو ترجیح دی! اب وہ اپنی حالت پر نظر ڈالتا ہے، اس وعید سے کانپ اٹھتا ہے، اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے، پچھتاتا ہے۔ ؎

ہر چند گناہ بے شمار ست — صد مرتبہ بے شمار توبہ
در بار گہت کنم خدایا — با دیدۂ اشکبار توبہ
گر رفت بہ ترہات عمرم — کردم نہ بیک دو بار توبہ
شد ہر سر موکنوں زبانے — آرم بتو بار بار توبہ

(لا اعلم)

پھر عرقِ خجالت میں غرق ہو کر حق تعالیٰ سے التماس کرتا ہے:۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر — روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
یا اگر بینی حسابم نا گزیر — از نگاہِ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر!

(اقبال)

پھر اُمید و رجا کی موج اس کے سینے میں اٹھتی ہے، وہ اس امر کا احساس کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے اس کو سرفراز فرمایا، اپنے محبوبؐ کی زیارت کے لئے وطن سے نکال کر اس مقدس مقام پر پہونچایا، حظِ دنیا یا تجارت اس سفر سے اس کو مقصود نہ تھا، فقط آپؐ کی بے پایاں محبت اور آپؐ کے آثار کے دیکھنے کے شوق ہی نے اس کو وطنِ مالوف سے نکالا، زندگی میں جب آپؐ کا دیدار نصیب نہ ہوا تو اس نے اس پر ہی قناعت کی کہ آپؐ کی مسجدِ مبارک میں حاضر ہو کر آپؐ کی قبر اطہر کی دیوار پر ہی نظر ڈالے۔ ؎

غریبے گر روی بشہر و دیار — روی در مسجد مصفا کُن
دوست را گر نمی توانی دید — خانۂ دوست را تماشا کُن

جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ سامان مہیا کر دیئے تو اب اس کی رحمت سے یہی توقع ہے کہ وہ اس کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھیں گے، اور اس کے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔ ؎

اندر عِلم آنچہ ترا شاید نیست
اندر کرمت آنچہ مرا باید ہست

جب مسجد نبوی میں قدم رکھتا ہے تو یہ سوچتا ہے کہ یہ وہ مقدس جگہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے نبی اکرمؐ اور مسلمانوں میں سے اوّل اور افضل لوگوں کے لئے تجویز فرمایا، جو بقول عارف رومیؒ۔ ؎

برتر اند از عرش و کرسی و خلا
ساکنانِ مقعدِ صدقِ خدا

اور جو حق تعالیٰ کی نظر میں "محبوب و مطلوب و پسند" رہے ہیں۔

جانتا ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سب سے پہلے حق تعالیٰ کے فرائض ادا ہوئے، اور کامل عبودیت کیساتھ ادا ہوئے! یہی وہ زمین ہے جس میں تمام مخلوق سے افضل و برتر لوگ حالتِ حیات و حالتِ ممات میں جمع ہیں! اب وہ توقع کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اس پر بھی رحم فرمائیں گے، اور دل ہی دل میں عرض کرتا ہے:۔

بضاعت نیاوردم الا امید
خدایا ز عفوم مکن ناامید (سعدیؒ)

پھر مسجد مبارک میں خشوع و تعظیم سے داخل ہوتا ہے، زبان پر یہ دعا ہوتی ہے:۔

اللھم ھذا حرم رسولك فاجعلہ لی وقایۃ من النار وامانًا من العذاب و سوء الحساب اللھم افتح لی ابواب رحمتك وارزقنی من زیارۃ نبیك ما رزقت اولیائك واھل طاعتك واغفرلی وارحمنی یا خیر مسئول۔

پھر نیت اعتکاف الی الخروج کر کے روضۂ جنت کی طرف بڑھتا ہے اور محرابِ نبویؐ کے پاس، اگر ممکن ہو تو مصلّی نبویؐ یا اس سے متصل یا منبر کے پاس، اور نہ ہو سکے تو کسی ایک مقام پر تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کرتا ہے، پھر اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اور رضا، توفیق خیر، قبولِ اعمال و بلوغ مقاصد کی دعا کرتا ہے! دعا کے الفاظ یہ ہوتے ہیں:۔

اللھم ان ھذہ روضۃ من ریاض الجنۃ شرفتھا وکرمتھا ومجدتھا وعظمتھا ونورتھا بنور نبیك وحبیبك محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللھم کما بلّغتنا فی الدنیا زیارتہ و مآثرہ الشریفہ فلا تحرمنا یا اللہ فی الآخرۃ من فضل شفاعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم واحشرنا فی زمرتہ وتحت لوائہ وامتنا علی محبتہ وملّتہ واسقنا من حوضہ المورود بیدہ الشریفہ شربۃ ھنیۃ لا نظماء بعدھا ابدًا انك علی کل شیء قدیر!

پھر زیارت کی نیت سے نہایت ادب و خشوع کے ساتھ روضۂ پاک کے سامنے حاضر ہوتا ہے! اس کا عقیدہ ہے کہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کے آنے، کھڑے ہونے، اور زیارت کرنے کا علم ہوتا ہے، اور اس کا درود و سلام آپ کی خدمت مبارک میں پہونچتا ہے[1]۔

---

[1] یہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: "جو لوگ میری قبر پر آکر سلام کرینگے میں ان کا سلام خود سنوں گا، اور دور سے سلام کرنے والوں کا سلام مجھے پہنچایا جائے گا" (مشکوٰۃ)

آپ نے فرمایا، کہ :-

"من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشراً" ——— (مسلم)

یہ جزا تو صرف زبان سے درود پڑھنے کی ہے، جب وہ خود زیارت کے لئے تمام بدن سے حاضر ہوا ہے تو اس کا بدلہ کس قدر عظیم الشان ہوگا!-

اب وہ اپنے آقائے نامدار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے :-

الصلوٰۃ والسلام علیك ایھا النبی السید الکریم والرسول العظیم والحبیب الرؤف الرحیم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! الصلوٰۃ والسلام علیك یا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ابن ھاشم یاطٰہٰ یا یٰسین یا بشیر یا سراج یا مبین یا مقدم جیش الانبیاء والمرسلین - ؎

یا خیر من دفنت فی التراب اعظمہ — فطاب من طیبھن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ — فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

انت الحبیب الذی ترجی شفاعتك — عند الصراط اذا ما زلت القدم

پھر صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے!-

پھر حضورؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منبر شریف کے پاس حاضر ہوتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ گویا آپ منبر پر چڑھے کھڑے ہیں اور مہاجرین وانصار آپ کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہیں اور آپ ان کو خطبے میں حق تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب وہمت دلا رہے ہیں اور نافرمانی سے روک رہے ہیں اور ڈرا رہے ہیں - ؎

محمد شہنشاہِ خیلِ رسل — کہ خرد ند پیشش چہ جزو چہ کل

درخشاں دُرِ دُرجِ عبدِ مناف — بانگشتِ اعجاز مہ را شگاف

ز ابرو دشش محرابِ عین الیقین — ز گیسو بشش اسبابِ حبل المتین

فلک باز دریاش در شبنمے — فصیحاں ز غوغاش در ابکمے

چناں عقدہ از کارِ امت کشاد — کہ دنداں دریں کار بر باد داد!

(ظہوری)

دل میں توحید پر جینے مرنے کا پختہ عزم کرتا ہے، حضورؐ کی محبت کو قلب میں اور زیادہ راسخ کرتا ہے، اور آپ کی سنتِ مطہرہ پر ساری عمر عمل کا پورا ارادہ کرتا ہے، اس عقیدے کو پختہ کرتا ہے کہ حق تعالیٰ ہر حال میں اس کے نگراں ہیں ——— "الم یعلم بان اللہ یریٰ" ——— اس کے دل کے وسوسوں اور خفیہ

خطرات و خیالات کو دیکھتے اور جانتے ہیں تاکہ سب کاموں میں اُدب کا لحاظ رکھے، جیسے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ کی نظروں کے سامنے ہے، ہر وقت گردن جھکائے، اور ہر کام میں اُدب! اس یقین کو بھی دل میں مضبوط کرتا ہے، کہ :-

"فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ"

یعنی طاعات کو ثواب سے ایسی نسبت ہے کہ جیسے غذا کو پیٹ بھرنے سے،
اور گناہوں کو عذاب سے وہ تعلق ہے جو زہر کو ہلاکت سے !-

عزم کرتا ہے کہ اپنے تمام حرکات و سکنات، خطرات و لحظات، لفظات و فلتات، غدرات و فجرات پر ہمیشہ نظر رکھے گا، اور تقویٰ کے اختیار کرنے میں اور ہر بُرائی سے اجتناب کرنے میں مبالغہ سے کام لے گا۔

بحول اللہ وقوتہ

آخر میں اس تسکین بخش عقیدے کو بھی پختہ کرتا ہے کہ رزق کی کفالت خود حق تعالیٰ نے فرمائی ہے یہ کہہ کر، کہ :-

"ما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا"

یہ رزق مضمون ضرور ملے گا، جتنا مقدر ہے وہ قطعاً پہونچ کر رہے گا، طلب رزق بطور شرعی کرنا چاہئے، اور جو چیز فوت ہو جائے اس پر افسوس نہ کرنا چاہئے۔

لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم!

منبر شریف کے پاس پہونچ کر تصور کرتا ہے کہ کچھ ان ہی تیقنات پر حضورِ انور (صلے اللہ علیہ وسلم) زور دے رہے ہیں اور وہ انھیں اپنے قلب میں اتار رہا ہے، اور اپنے تحت شعوری نفس میں انھیں پختہ کر رہا ہے۔

حج و زیارت کے اعمال میں یہ ہے دل کا وظیفہ جس کے اجمال کا ذکر ہوا۔ اس طرح فارغ ہو کر حاجی فرطِ مسرت سے چیخ اُٹھتا ہے۔ ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را — کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حج کے تقاضے

(عتیق سنبھلی)

ہر عبادت انسانی زندگی میں ایک تغیر پیدا کرنا چاہتی ہے، جس عبادت کو بھی اس کی اصل رُوح کے ساتھ ادا کیا جائیگا عابد کے سامنے وہ اپنا یہ مطالبہ رکھے گی۔ نماز کا سب سے پہلا مطالبہ نمازی سے یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھے، ہر قدم پر اس کے حکموں پر نگاہ رکھے، اور ہر حکم پر نماز کے رکوع و سجود کی مشق کا اعادہ کرتا چلا جائے، اگر نمازی نماز کے پورے حقوق کی رعایت اور اس کے مطالبہ کے شعور ساتھ پابندی سے نماز ادا کرتا رہے تو نماز اُس سے اپنا مطالبہ پورا کرا لیتی ہے اور اس کی زندگی میں ایک عظیم تغیر رونما ہو جاتا ہے۔ روزہ، روزہ دار میں صبر و تقویٰ پیدا کرنا چاہتا ہے، اگر پورے رمضان کے روزے اس مطالبہ کے گہرے دھیان کے ساتھ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایات کے مطابق ادا کئے جائیں تو روزہ دار ان اعلیٰ صفات کا حامل ہو سکتا ہے۔

حج، جو کہ ایک بڑے درجہ کی عبادت ہے اور نماز، روزہ کے مقابلے میں مشکل اور جنگی عبادت ہے، حاجی کی زندگی میں ایک بڑے تغیر کا مطالبہ کرتی ہے، اور نماز روزہ کی طرح اگر اس کے اعمال و ارکان کو بھی اسکی اصلی روح یعنی عشق و محبت کی والہانہ کیفیات، اور اس کے تقاضوں اور مطالبات کے پورے شعور کے ساتھ ادا کیا جائے تو حج کے بعد حاجی کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو جانا لازمی ہے، لیکن جس طرح ہماری دوسری عبادات کا حال یہ ہے کہ وہ ان دو اہم شرطوں کے مفقود ہونے کی وجہ سے شجر بے ثمر بنی ہوئی ہیں، عام طور پر حج کا حال بھی یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ حج و زیارت سے مشرف ہونے کے بعد بھی ہمارے حجاج کی زندگی میں کوئی خاص تغیر اور انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ الا من شاء اللہ۔

حج کے ایک ایک عمل کو دیکھئے اور ان اعمال کی ساری فہرست پر نظر ڈال جایئے، پوری فہرست عاشقانہ اور مجنونانہ اداؤں کا مجموعہ نظر آئے گی، کفن جیسا لباس، لبیک لبیک کا مجنونانہ شور، کعبہ کے ارد گرد والہانہ طواف، سنگ اسود کو بڑھ بڑھ کے چومنا، چومنا نہ ملے تو محبت کی نظر اور ہاتھ کے اشارے سے اپنی حسرت کا اظہار کر دینا، صفا و مروہ کے درمیان سعی، عرفہ کا وقوف، بال بکھرے ہوئے، جسم غبارِ راہ سے اَٹا ہوا، اور رہ رہ کے وہی ایک

لبیک لبیک کی رٹ، گویا یہ عبادت عبد و معبود کے درمیان علاقۂ عشق کا مظہر اتم ہے، ورنہ یہ ادائیں عشق کے سوا اور کس مذہب میں جائز ہیں، اور خود احادیث سے اس عبادت کی یہ خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے :-

"الحج العج والثج" ـــــــــــ حج (تلبیہ کے مجنونانہ اور والہانہ) شور اور قربانیوں کا خون بہانے کا نام ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے :-

"الحاجُّ الشعِثُ التفِل" ـــــــــــ سچا حاجی وہ مست ہے جسے اپنی کچھ خبر نہ ہو، بال بکھرے ہوئے، اور لباس و جسم پر میل چڑھا ہوا۔

اور حاجی کے اسی حالِ بے حالی کو دیکھ کر باری تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں :-

"انظروا الی زوار بیتی قد جاؤنی شُعثاً غُبراً" ـــــــــــ میرے دیوانوں کی مستی کا عالم تو دیکھو، میرے در پہ کس شان سے آئے ہیں کہ نہ بالوں کے بکھرنے کی خبر ہے، نہ جسم کے گرد و غبار کا ہوش!۔

اگر ان عاشقانہ افعال اور مجنونانہ وضع کے ساتھ حاجی کے دل میں کسی قدر گرمیٔ عشق بھی موجود ہو یا پیدا ہو جائے اور ساتھ ہی دماغ کو کچھ بیدار رکھ کر وہ اس پر بھی غور کرتا جائے کہ حج کا ہر ہر عمل اُس سے کیا مطالبہ کر رہا ہے تو بہت واضح طور پر چند مطالبات اس کے سامنے آئیں گے۔

گھر بار اور اہل و عیال کو چھوڑ کے اس کا اللہ کے لئے نکل پڑنا، اور پھر جسم سے کپڑے تک اتار کے کفن جیسا لباس پہن لینا، اور اپنے ظاہر و باطن کو سب سے کاٹ کر لبیک لبیک پکارتے ہوئے مطلق عبدیت کا اعلان کرنا اس سے مطالبہ کرے گا کہ وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی طرح اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرے، کہ :-

"اِنّ صلواتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین بذٰلک امرت وانا من المسلمین" ـــــــــــ میری نماز اور میری قربانی میری موت اور میری زندگانی سب اللہ وحدہٗ لاشریک کے لئے ہے، مجھے یہی حکم ملا ہے، اور میرا کام تعمیل حکم ہے۔

اگر یہ فیصلہ نہیں ہے تو پھر اس احرام اور اس تلبیہ کے کیا معنیٰ ہیں جس میں اللہ کی لاشریک الوہیت، ربوبیت اور حاکمیت کا اقرار اور اس کی مطلق طاعت و بندگی کے لئے عاجزانہ اور نیازمندانہ حاضری کا اعلان ہے۔

پھر مکہ معظمہ پہونچ کر "اللہ کے گھر" کا طواف کرتے وقت وہ اگر سوچے گا تو وہ صاف طور پر اس عمل کا یہ تقاضہ

محسوس کرے گا کہ اس گھر والے کی محبت اور اطاعت کو ہر دوسری چیز کی محبت اور اطاعت پر غالب ہو جانا چاہیے اور اس کی رضا طلبی کی فکر دوسری ہر چیز کی رضا طلبی سے مقدم ہونی چاہیئے، اس لئے کہ اس کا گھر بار، مال واولاد اور اقارب واحباب کو چھوڑ کر اتنی دور آنا اور بلا کسی دنیوی مقصد ومنفعت کے آنا، پھر سر سے پیر تک مجنونوں اور سائلوں کی سی صورت بنانا، پھر مستانہ وار وحدہٗ لاشریک کے نام کا راگ الاپنا، پھر اس کے گھر کو دیکھ کر دیوانہ وار اس کے اردگرد چکر لگانا، ایک نہیں دو نہیں، ایک ایک مرتبہ میں سات سات چکر لگانا، پھر ایک دن نہیں روز روز اور ہر روز بار بار کا یہی مشغلہ، اس کی دیواروں سے لپٹنا، رونا، گڑگڑانا، اور مجسّم صورتِ سوال بن جانا، یہ تو اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ گھر جس کی تجلی گاہ ہے وہ سب سے بڑا محبوب اور سب سے برتر مطاع ہے، اور اسی کی رضا اس قابل ہے کہ اس کی جستجو میں بندے کے پائے فکر وعمل کو ہر دم سرگرداں اور طواف کناں رہنا چاہیئے۔

طواف کے بعد صفا ومروہ کی سعی کا نمبر آتا ہے، اس کے متعلق معلوم ہے کہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہی کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی زوجۂ محترمہ حضرت ہاجرہؓ اپنے ننھے سے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کیلئے پانی کی تلاش میں دوڑتی تھیں اور پھر صاحبزادے کی تنہائی کے خیال سے واپس ہو جاتی تھیں، ان کی یہ سعی اسی جگہ ہوئی تھی، بس ان کی سعی کی یادگار کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لئے یہ سعی مقرر فرما دی ہے، ظاہر ہے کہ نہ تو اس عمل کا تعلق عشقِ خداوندی سے ہے، اور نہ ہی بظاہر کوئی خاص رُوحانی فائدہ اس سے متوقع ہے، بلکہ محض اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے، بندے کو اس سے کوئی بحث نہیں کہ اس فعل سے کیا فائدہ ہے، لہٰذا اس عمل کا خاص مطالبہ حاجی سے یہ ہے کہ اس میں بلا چون وچرا اطاعت کی شان پیدا ہونی چاہیئے، خدا اور رسول کے ہر حکم اور ہر فرمان کے آگے اس کا سر جھک جانا چاہیئے، خواہ کسی حکم کی حکمت اور اس کا فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ علاوہ ازیں حج کے اس عمل سے چونکہ ایک ایسے واقعہ کی یاد وابستہ ہے جس میں امتِ مسلمہ کے لئے دو بڑے اہم اور قیمتی سبق موجود ہیں، اس لئے اس عمل میں دو اور تقاضے اور مطالبے مضمر نظر آتے ہیں۔ صفا ومروہ کی سعی سے جس واقعہ کی یاد تازہ ہوتی ہے یہ ہے کہ:-

"حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ کا حکم ہوا کہ اپنی اہلیہ محترمہ کو مع اکلوتے صاحبزادے کے مکہ کی بے آب وگیاہ سرزمین میں لے جا کر بسا آئیں، چنانچہ آپ نے حکم کی تعمیل فرمائی اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو اس غیر آباد اور بنجر سرزمین میں چھوڑ کر چلے آئے، ان کے پاس جو دانہ پانی کا مختصر سا ذخیرہ تھا چند دن میں ختم ہو گیا، حضرت اسمٰعیل پیاس سے بیچین ہوئے، بولنے کی عمر نہ تھی، شدتِ تکلیف سے ایڑیاں رگڑتے تھے، حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں

اِدھر اُدھر دوڑتی تھیں، جب کچھ دور نکل جاتیں صاحبزادہ کی تنہائی کا خیال آتا اور لوٹ پڑتیں، تنہا اللہ کی ذات ان کا سہارا تھی، اس سے دُعا بھی جاری تھی اور اپنی سی کوشش بھی، آخر کار ایک دفعہ جو پلٹ کر آئیں تو یہ منظر دیکھا کہ صاحبزادے جہاں ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں سے پانی پھوٹ رہا ہے۔"

یہ ہے وہ واقعہ صفا و مروہ کی سعی جس کی یاد دلاتی ہے۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی ذریت کے اس واقعہ میں اُمتِ مسلمہ کیلئے پہلا سبق تو یہ ہے، کہ اللہ کے دین کو رائج اور قائم کرنے کے لئے اور اس کی عبادت اور بندگی کو عالم میں عام کرنے کے لئے بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے سے بھی نہ جھجکنا چاہئے۔

اس سے بڑا کیا خطرہ ہو سکتا ہے جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی چہیتی بیوی اور اکلوتی اولاد کیلئے مول لیا کہ انھیں تنہا ایک ایسی جگہ چھوڑ دیا جہاں نہ انسان نہ کوئی اور جاندار، نہ سبزہ نہ پانی نیچے تپتی زمین اوپر تپتا آسمان، دو نازک سی جانیں اور بس اللہ نگہبان، ایسا کیوں کیا گیا؟ — صرف اللہ کے دین کیلئے۔

قرآن پاک اس بارے میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا قول نقل کرتا ہے:-

"ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰة" ——— میرے مالک میں نے اپنی کچھ اپنی اولاد تیرے محترم گھر کے پاس بن کھیتی والی ایک وادی میں بسا دی ہے تاکہ اے پروردگار وہ نماز کو قائم کریں۔

دوسرا سبق یہ واقعہ ہمیں یہ دیتا ہے، کہ

حاجات و ضروریات کی ساری کنجیاں اللہ کے دستِ قدرت میں ہیں، اس میں اس کا کوئی شریک نہیں، ہماری حاجت روائی نہ کسی دوسری ہستی کے بس میں ہے نہ اسباب پر موقوف، بندہ اس بات پر یقین رکھے اور اپنی طاقت و استطاعت کے مطابق کوشش کرتے ہوئے اس وحدہٗ لاشریک کے سامنے دستِ سوال دراز رکھے پھر اسباب ظاہری کی نامساعدت میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اس داتا کی داد و دہش اور اعانت کو روک سکے۔

اس بے آب و گیاہ سرزمین میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے لئے دانے پانی کی ساری راہیں بظاہر مسدود اور اسباب ایک ایک کر کے مفقود تھے لیکن حضرت ہاجرہ کی سعی اور دُعا پر مسبب الاسباب کا حکم ہوا تو بے وہم و گمان

اس جلتی تپتی اور خشک دھرتی کی چھاتی سے پانی کا دھارا پھوٹ نکلا ——— سچ فرمایا کرتے تھے نبیِ اُمّی فداہ ابی و اُمّی :-

"لا مانع لما اعطیت" ——— داتا تیری دہش کو کوئی روکنے والا نہیں ہے

یہ دو سبق ہیں جو اس واقعہ سے ہمیں ملتے ہیں۔ پس جو لوگ صفا و مروہ کی سعی کر کے اس واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہیں انھوں نے اگر غور و فکر کی قوت کو معطل نہیں کر رکھا ہے تو وہ محسوس کریں گے کہ ان کا یہ عمل (سعی) ان سے دو باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔

(۱) اللہ کے دین کو فروغ دینے اور اس کی عبدیت و عبادت والی زندگی کو دنیا میں رائج کرنے کیلئے اپنی محبوب اور عزیز ترین چیزوں کو بھی خطرے میں ڈالنے سے گریز نہ کریں، خواہ وہ اپنی جان ہو یا اپنے بیوی بچوں کی زندگیاں، اس مقصد کے لئے بیوی بچوں کی جدائی اگر ضروری ہو تو اُسے گوارا کریں، غریب الدیاری کی نوبت آجائے تو اس میں پس و پیش نہ کریں، بھوک پیاس اور شدائد و خطرات کی کیسی ہی خوفناک تصویریں ذہن میں گھوم جائیں مگر دینی جدوجہد کے قدم پیچھے نہ ہٹنے پائیں۔

(۲) دین کے فروغ اور سربلندی کی جدوجہد میں کامیاب ہونے کے لئے بھی، اور اپنی انسانی ضروریات کے پانے کے لئے بھی اپنی طاقت اور استطاعت کی حد تک تو کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں، مگر یہ یقین رکھیں کہ ہماری کوششوں کے کامیاب نتائج برآمد کرنے والا حقیقی داتا اور حقیقی مشکل کشا تنہا اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، لہٰذا اُس کے حضور میں اپنی انتہائی عاجزی اور بے بسی کے استحضار کے ساتھ اپنی کوششوں کی کامیابی اور نتیجہ خیزی کے لئے دعا کرنے میں بھی کوئی کمی نہ کریں، بالفاظ دیگر اسبابی کوشش اور جدوجہد اس طرح کریں کہ مسبب اسباب کے منکر اور تنہا اسباب کے پرستار اُن سے پیچھے نظر آئیں، لیکن جب کوئی دُعا کے وقت انھیں دیکھے تو یہ سمجھے کہ انھیں اسباب پر بالکل یقین اور اعتماد نہیں ہے، اسباب ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے، انکی نظر اور ان کا اعتماد صرف اللہ پر ہے، وہ اللہ جس نے ظاہری حالات کے علی الرغم حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو صرف یہی نہیں کہ زندہ رکھا بلکہ اُن سے ایک ایسی نسل چلائی جو اُس وقت سے آج تک عزت کے ساتھ زندہ ہے اور جس کی عزت کبھی ذلت سے نہیں بدلی ہے۔

الغرض حج کے یہ اعمال و اشغال اگر غور سے دیکھا جائے تو اپنے اندر کچھ ایسے تقاضے لئے ہوئے ہیں کہ اگر ان کو سمجھنے اور پورا کرنے کی طرف توجہ دیجاتی تو ہمارے حجاج کی زندگیوں کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا، اور حج سے واپس آنے کے بعد ہر سال ہماری آبادیوں میں اسلامی زندگی کے لاکھوں نئے نمونے پیدا ہو جایا کرتے۔

حج کے اعمال و اشغال اور ایام حج کی پابندیوں پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مومن کی مثالی

زندگی کی ٹریننگ ہے جو ہر سال امتِ مسلمہ کے لاکھوں نفوس کو بیک وقت دیجاتی ہے جس میں ان کو اسلامی زندگی کے اصول، قواعد وضوابط اور خصوصیات کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ اللہ کی ذاتی وصفاتی توحید کا گہرا اعتقاد، شرک کا بہرصورت وبہر نوع قلبی انکار، تحلیل وتحریم کا حق صرف اللہ کے لئے ماننا اور اسے اس معاملہ میں مختار علی الاطلاق ماننا (یعنی صرف اسی کو یہ حق ہے کہ وہ جب چاہے اور جس چیز کو چاہے حلال قرار دے، اور جس چیز کو چاہے حرام قرار دے) موت کا دھیان، آخرت کی یاد، میدانِ حشر کا استحضار، دُعا اور اس میں الحاح وتضرع کی کیفیت، اللہ سے بے انتہا محبت، ہر دم اس کی یاد اور ذوق وشوق کے ساتھ اس کی اطاعت، زہد وتوکل، انفاق فی سبیل اللہ، نفس کشی، سادگی اور جفاکشی، جماعت اور امارت، لایعنی باتوں سے پرہیز، باہمی نزاع اور جدل وجدال سے مکمل اجتناب، گناہوں کا بالکلیہ ترک، اخلاق میں لینت، کلام میں نرمی، شعائر اللہ کی عظمت، اس کے اعداء خصوصاً شیطان سے نفرت، غرض اسلامی زندگی کے سارے اجزاء وعناصر کی ایسی مکمل عملی مشق ان دنوں میں کرادی جاتی ہے کہ اگر حجاج اس کو اپنی کھوئی ہوئی متاع سمجھ کر مضبوطی سے پکڑ لیں تو وہ کام (یعنی زندگیوں میں اسلامی انقلاب) جو اس وقت دُنیا کے ہر کام سے زیادہ مشکل نظر آرہا ہے اتنی آسانی سے ہوسکتا ہے کہ بڑے بڑے انقلابی دماغ تحیر اور سکتہ کے عالم میں رہ جائیں۔ پھر اس مکمل دینی تربیت کے ساتھ ساتھ دو باتیں اور بھی ہیں۔

(۱) حجرِ اسود کا استلام۔ حجرِ اسود کو احادیث میں یمین اللہ (اللہ تعالیٰ کا دستِ مبارک) بتلایا گیا ہے، لہٰذا اس کا استلام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے قائم مقام ہے، گویا یہ عمل عہدِ اطاعت، اور اس بات کا پیمان ہے کہ وہ جس ذات کی کبریائی اور آقائی کا زبانِ حال وقال سے کلمہ پڑھ چکا ہے اس سے بیوفائی نہ کرے گا، گویا ٹریننگ کے درمیان میں ہی اس بات کا عہد لے لیا گیا ہے کہ اب ساری بقیہ عمر کو اسی تربیت کے سانچے میں ڈھالا جائے گا، اور اب باقی زندگی ویسی ہی گزرے گی جیسی زندگی کی یہاں مشق کرائی گئی ہے۔

یوں تو اس عہد کے بغیر خود وہ ٹریننگ ہی اس بات کی متقاضی تھی کہ اب تک اگر زندگی اس تربیتی نقشۂ زندگی سے مختلف رہی ہے تو اب یہ اختلاف مٹ جانا چاہئے، لیکن استلام کے وقت جو لطیف الحس انسان واقعی ایسا محسوس کرتے کہ گویا وہ اپنا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں دے رہا ہے تو اُس کے لئے کوئی گنجائش ہی اس بات کی نہیں رہ جاتی کہ اب بھی اس کی زندگی اس تربیتی نقشہ کے مطابق نہ بنے۔

---

(۲) ایک حدیث میں رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بشارت دی ہے، کہ:۔

"من حج للّٰہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ اُمّہٗ" ــــــــ جس نے محض اللہ کی رضامندی کیلئے حج کیا اور بے حیائی کی باتوں سے، بے حیائی کے کاموں سے،

(بخاری ومسلم)

آسان حج

(لکھنؤ ہی کے رہنے والے میرے ایک مخلص دوست اس سال حج کا ارادہ کر رہے ہیں ــــ اللہ تعالیٰ ان کا ارادہ پورا فرمائے) ــــ ان کی بڑی خواہش تھی کہ یہ عاجز بندہ بھی اس مبارک سفر میں ان کے ساتھ ہوتا لیکن مجھ پر اس وقت بعض ایسے کاموں کی ذمہ داریاں ہیں جنھیں چھوڑ کر نفلی حج کے لئے تین چار مہینے کے واسطے غائب ہو جانے کی میرے لئے گنجائش نہیں۔ اس لئے دلی رنج و افسوس کے ساتھ مجھے اُن سے معذرت کرنی پڑی ــــ لیکن ان کے اخلاص و محبت کا میں نے اپنے پر حق سمجھا کہ اس مقدس سفر کے سلسلہ میں کم از کم اتنی خدمت ان کی ضرور کردوں کہ حج کے طریقہ اور اُس کے اعمال و آداب کے متعلق ایک ایسی مختصر اور جامع یادداشت جو ان کی رہنمائی کے لئے کافی ہو حتی الوسع اتنی آسان زبان میں ان کے لئے لکھدوں جس کو وہ بلا تکلف سمجھ سکیں ــــ میرے یہ دوست بہت ہی معمولی لکھے پڑھے ہیں اور حج و زیارت کے متعلق اُردو زبان میں جو رسالے اور مقالے اب تک اس عاجز کی نظر سے گزرے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ سب اُن کے لئے اور اُن جیسوں کے لئے مشکل ہیں۔

ذیل کا مضمون میں نے خط کے انداز میں اصل میں تو ان ہی کے لئے لکھا تھا لیکن اللہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ اشاعت کے بعد اُن کے علاوہ بھی سیکڑوں ہزاروں ایسے عازمین حج جن کی تعلیم زیادہ نہیں ہوئی انشاء اللہ اس سے فائدہ اُٹھائیں گے اور چند ورق کا یہ مختصر اور آسان مضمون حج و زیارت میں ان کی رہنمائی کے لئے بالکل کافی ہوگا)

محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محب مخلص! اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا اور آخرت کی نعمتیں بھرپور نصیب فرمائے! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ بڑا انعام فرمایا ہے کہ اس نے حج کا ارادہ اور شوق آپ کے دل میں پیدا کیا ــــ اسی کریم کارساز سے دعا ہے کہ جس طرح اُس نے اپنے فضل و کرم سے آپکے دل میں یہ ارادہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ آپ کو ایسا حج نصیب فرمائے جس کا بدلہ بس جنت اور اس کی رضا ہو ــــ

آپ نے چاہا تھا کہ میں بھی اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ چلوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس نیک خواہش کا بہتر سے بہتر اجر آپ کو دے مگر میں آپ کو بتلا چکا ہوں کہ اس سال مولانا علی میاں کے نہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے تبلیغی کام کی جو ذمہ داری مجھ پر ہے اور اسی طرح کی جو بعض اور ذمہ داریاں میرے سر ہیں، میرے لئے اس کی گنجائش نہیں ہے کہ ان کاموں کا نقصان گوارا کر کے میں اس وقت نفلی حج کیلئے جا سکوں۔ طبیعت کا اور دل کا تقاضا تو یہی ہے کہ سب چیزوں کو چھوڑ چھاڑ کے آپ کے ساتھ چلدوں کیا خبر

پھر کبھی ایسا کوئی موقع میسر آئے یا نہ آئے لیکن دین کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس وقت نہ جاؤں غور و فکر کے بعد میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اپنے دل کی چاہت کو مجھے دین کی مصلحت پر قربان کر دینا چاہیئے۔ بہرحال دلی رنج و قلق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میں اس وقت آپ کے ساتھ نہیں چل سکوں گا۔
عربی کے کسی شاعر نے شاید ایسے ہی کسی وقت میں یہ شعر کہا ہوگا۔

ارید وصالہ ویرید ھجری فاترک ما ارید لما یرید

(اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے تو محبوب کے وصال اور اس کی ملاقات کی چاہت ہے لیکن میرا محبوب ملنا نہیں چاہتا بلکہ دور رہنا چاہتا ہے تو میں اپنی خواہش کو محبوب کی چاہت پر قربان کرنے کا فیصلہ کرتا ہوں)

اگر اللہ تعالیٰ نے میرے کاموں کا کوئی قابلِ اطمینان انتظام فرما دیا تو پھر انشاء اللہ چل سکونگا آپ دعا فرمائیں۔

چونکہ آپ کے ساتھ چلنے کا فیصلہ ہو وقت نہیں کر سکا اس لئے اس مبارک سفر کے متعلق ضروری باتیں آپ کے لئے لکھ دینا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ میری یہ تحریر آپ کے ساتھ رہ کر ایک حد تک میری قائم مقامی کرے گی اور اس سے آپ انشاء اللہ کافی رہنمائی اور فائدہ حاصل کر سکینگے۔

نیت

توقع ہے کہ آپ کی نیت خدا کے فضل سے بالکل صحیح اور خالص ہو گی لیکن میرے بھائی! شیطان ہم انسانوں کا بڑا مکار اور عیار دشمن ہے وہ ہمارے ہر نیک عمل اور ہر عبادت کو خراب و برباد کرنے کی ایسی ایسی خفیہ اور باریک کوششیں کرتا رہتا ہے جن کا ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا ہے۔ خاص کر حج چونکہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کا نیک عمل ہے اور اس سے بندہ کے دین میں اور اس کے درجوں میں بہت ترقیاں ہوتی ہیں اور اگر وہ ٹھیک طرح سے ہو جائے تو اس سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس لئے شیطان اسے خراب اور برباد کرنے کی بڑی سخت اور بڑی گہری کوششیں کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح بندہ کی نیت کو خراب کرے۔ تو میرے بھائی شیطان کی اس شرارت سے ہوشیار رہنا اور اپنی نیت اور اپنے دل کی برابر دیکھ بھال کرتے رہنا۔ شیطان آپ کے دل میں اس قسم کے خیالات ڈالنے کی کوشش کرے گا کہ حج کرنے سے لوگ ہمیں بہت اچھا سمجھنے لگیں گے، ہماری عزت زیادہ کرنے لگیں گے۔ ہماری بات کا اعتبار بڑھ جائے گا۔ کبھی وہ یہ وسوسہ ڈالے گا کہ چلو مکہ شریف دیکھیں گے مدینہ شریف دیکھیں گے، دنیا بھر سے آنے والے مسلمانوں کا مجمع دیکھیں گے ـــــ آپ ان میں سے کسی چیز کو بھی اپنے اس سفر کا مقصد اور حج کا خاص فائدہ نہ سمجھیں اور ان سب باتوں کو دل سے نکال کر بس اللہ کے حکم کی تعمیل، اس کے فرض کی ادائیگی اور اس کی رضامندی اور آخرت کے ثواب کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بنائیں۔ اور روانہ ہونے سے پہلے اور روانگی کے بعد راستہ میں اپنی نیت اور اپنے دل کی

شیطانی وسوسوں سے، برابر حفاظت کرتے رہیں۔ اگر خدانخواستہ شیطان نیت خراب کرنے میں کامیاب ہوگیا تو ساری محنت اور سارا عمل برباد ہو جائے گا۔ ہر عمل کے قبول ہونے کی پہلی شرط نیت کی درستی ہے۔

الغرض اس کی پوری کوشش کریں کہ اس سفر سے آپ کی غرض صرف یہ ہو کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرکے آپ اس کو راضی کریں اور اس کے عذاب سے نجات اور وہ ثواب حاصل کرسکیں جس کا وعدہ حج کرنے والوں کے لئے قرآن شریف اور حدیث شریف میں کیا گیا ہے ـــــ نیت کی درستی کے لئے اور شیطانی وسوسوں سے دل کی حفاظت کے لئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی برابر کرتے رہیں۔ اگر اللہ کا فضل شامل حال ہو تو پھر شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

روانگی سے پہلے حج کی اصل تیاری

آپ کو اور حج کو جانے والے ہر مسلمان بھائی کو میرا دوسرا خاص مشورہ یہ ہے کہ حج کے لئے روانہ ہونے سے پہلے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم دو ہفتے کسی ایسے دینی ماحول میں ضرور گزاریں جہاں رہنے سے اللہ سے تعلق اور اس کی محبت بڑھے، اس کی یاد کا ذوق اور اس کی عبادت کا شوق ترقی کرے، اور دنیا کی فکروں میں کمی اور آخرت کی فکر میں زیادتی ہو۔ یہ چیزیں اللہ کے سچے اور اچھے بندوں کی صحبت میں رہنے سے پیدا ہو جاتی ہیں ـــــ اور کم از کم دو ہی ہفتے کسی ایسی تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی ضرور گزاریں جو خاص طور سے حاجیوں میں کام کرنے کے لئے نکلی ہوئی ہو اور جس کے تعلیمی پروگرام میں حج کے آداب اور اس کا طریقہ سیکھنے سکھانے کا بھی خاص انتظام ہو اور اس کی آسان صورت یہ ہے کہ آپ دو تین ہفتے پہلے بمبئی چلے جائیں اور حاجیوں میں کام کرنے والی اُن جماعتوں کے ساتھ مل کر وہیں کام کریں جو خاص حج کے زمانے میں حجاج ہی میں کام کرنے کے لئے بمبئی ہی میں مقیم رہتی ہیں، پھر جب آپ کے جہاز کی روانگی کا وقت آئے تو وہیں سے روانہ ہو جائیں ـــــ اگر آپ نے میرے اس مشورہ کے مطابق کچھ وقت روانگی سے پہلے اللہ کے کسی خاص بندہ کی صحبت میں اور کچھ وقت کسی اچھی تبلیغی جماعت کے ساتھ گزار لیا تو انشاء اللہ آپ حج کی خاص برکتیں اور لذتیں حاصل کرنے کے قابل بن جائیں گے اور خدا نے چاہا تو آپ کو وہ حج نصیب ہوگا جس کی جزا اللہ کی خاص رضا اور جنت ہے ـــــ افسوس! آج کل لوگ ہزاروں روپے بھی صرف کرتے ہیں اور مہینوں پہلے سے دنیا بھر کے انتظامات بھی کرتے ہیں اور کم از کم ڈھائی تین مہینے خاص سفر حج میں بھی لگ جاتے ہیں لیکن اپنے کو حج کے قابل بنانے کے لئے کچھ بھی نہیں کرتے حالانکہ حج تو ایسی اونچی چیز ہے کہ اگر برسوں پہلے سے بھی اس کے لائق بننے کی تیاری کی جائے تو کم ہے ـــــ بہر حال آپ میرے اس مشورے کو ضرور مانیں اور اگر آپ کے وقت میں اس وقت اتنی گنجائش نہ ہو کہ

دو ہفتے کسی بندۂ خدا کی صحبت میں اور دو ہفتے جماعت کے ساتھ دے سکیں تو پھر کم سے کم تبلیغی جماعت ہی کے ساتھ رہنے کے لئے دو ہفتے کسی طرح ضرور نکالیں انشاء اللہ آپ کے لئے یہ بھی کافی ہو جائے گا۔

سفر کا ضروری سامان

سامان سفر کے بارہ میں میرا مشورہ آپ کو اور ہر عازم حج کو بس یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے کم سے کم سامان ساتھ لیجئے۔ جو لوگ تکلیفیں اٹھانے کے عادی نہیں ہیں ان کے لئے بھی میرے نزدیک بس یہ چیزیں کافی ہیں۔

پہننے کے کپڑوں کے ۴-۶ جوڑے، ایک گرم سوٹر یا گرم کوٹ یا صدری، جو ٹھنڈی ہواؤں کے نقصان سے آپ کی حفاظت کر سکے، ایک یا دو تہبند، دو تولیے، بوقت ضرورت اوڑھنے کی دو چادریں، ان کے علاوہ احرام کی دو چادریں کسی موٹے نرم کپڑے کی جا نماز اتنی بڑی کہ اگر کبھی ضرورت ہو تو اس پر آپ لیٹ بھی جائیں، ہلکا سا ایک بستر جس میں ایک کمبل بھی ہونا چاہئے۔ قریباً ایک گز چوڑا اور دو ڈھائی گز لمبا ایک ٹاٹ جس کو آپ ہر جگہ بچھا سکیں، رسی کی ایک مضبوط سی ڈوری، تھوڑی سی سُتلی، سوئی دھاگا، ٹاٹ سینے کا سوا، چاقو، استرا، قینچی، آئینہ، دو پلیٹیں، دو پیالے، دو چمچے، ایک گلاس ایک چھوٹی سی پتیلی مختصر سا ناشتہ دان، معمولی معمولی کام کرنے کیلئے اسپرٹ کے یا دوسرے مختلف قسم کے مسالوں سے جلنے والے جو چھوٹے چھوٹے چولھے روپیہ روپیہ دو دو روپیہ میں آج کل بازاروں میں عام طور سے ملتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک چولھا، ایک ایسا بکس یا بڑے قسم کا ہینڈ بیگ جس میں یہ سب چیزیں آ سکیں۔ بید سے یا بانس سے بنی ہوئی ایک مضبوط سی کنڈی جس میں آپ متفرق چیزیں رکھ سکیں، ایک چھتری ایک لوٹا، ایک بالٹی، ایک ٹارچ۔

اگر یہ چیزیں آپ کے ساتھ ہوں گی تو انشاء اللہ آپ کے سارے کام نکلتے رہیں گے اور آپ کو وہ پریشانیاں اور زیر باریاں بھی نہ ہوں گی جو غیر ضروری سامان ساتھ رکھنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہوتی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں ساتھ رکھنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ضرورت کی ہر چیز اب ہر جگہ مل جاتی ہے، قیمتوں میں بھی بہت زیادہ فرق اب نہیں ہوتا —— ہاں کسی قسم کا اچار یا چٹنی اپنے ساتھ رکھنا چاہیں تو رکھ لیں —— جہاز میں جب چکر آتے ہیں اور طبیعت متلاتی ہے تو غذا سے سخت نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت نمک مرچ اور ترشی کے ساتھ خشک بھنے چنے بہت کام دیتے ہیں اور طبیعت اس کو رغبت سے قبول کر لیتی ہے اس لئے بھنے ہوئے یا مسالہ کے ساتھ تلے ہوئے تھوڑے سے چنے ضرور رکھ لیجئے۔

جیسا کہ ابھی میں نے بتلایا ان چیزوں کی ضرورت صرف ان لوگوں کو ہے جو ایک خاص معیار کی آرام و راحت والی زندگی کے عادی ہو گئے ہیں اور تکلیفیں اٹھانے کی ان میں ہمت نہیں ہے —— لیکن اللہ کے جو بندے اس سفر کو عشق و مجاہدہ کا سفر سمجھ کر کچھ تکلیفیں اٹھانے کی ہمت کر لیں ان کیلئے ان میں بہت سی چیزیں

غیر ضروری ہیں۔ میرے چھوٹے بھائی حاجی محمود حسین مرحوم نے حج کا سفر اس شان سے کیا تھا کہ۔ جو کرتا پاجامہ پہنے ہوئے تھے چلتے وقت اسی کے اوپر سے ایک پاجامہ کرتا اور پہن لیا تھا (جو آگے چل کر غالباً کسی رفیق کے سامان میں رکھ دیا ہوگا) کرتے کے اوپر ایک صدری تھی۔ اس کے علاوہ کپڑوں میں بس ایک دو تہی اور ایک تہبند تھا اور یہ دونوں چیزیں کاندھے پر ڈال لی تھیں۔ برتنوں میں بس ایک ٹین کا لوٹا تھا جو ہاتھ میں لے رکھا تھا—— صرف یہی تھا ان کے سفر حج کا کل سامان سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ پورے سفر میں وہ کتنے ہلکے پھلکے اور کتنے فارغ اور آزاد رہے ہوں گے۔

لیکن ظاہر ہے کہ ہر شخص ایسا نہیں کر سکتا اور ہر ایک کو اس کا مشورہ بھی نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے اصل مشورہ ہر عازم حج کو اتنا ہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے کم سے کم سامان ساتھ لیا جائے۔

سفر شروع کرنے سے پہلے گناہوں سے پاکی بندہ کو یوں تو ہمیشہ ہی اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کرتے رہنا چاہئے اور اسی طرح اللہ کے بندوں کے حقوق کے بوجھ سے بھی اپنے کو ہلکا کرنے کی کوشش برابر کرتے رہنا چاہئے لیکن حج کے لئے روانہ ہونے سے پہلے بہت ہی خاص اہتمام سے اپنے گناہوں سے خدا کے سامنے سچی توبہ اور اس سے معافی اور بخشش کی درخواست کرنا چاہئے اور اسی طرح اگر کچھ بندوں کے حقوق اپنے ذمہ ہوں خواہ اپنے گھر والوں کے، خواہ رشتہ داروں کے خواہ پڑوسیوں کے، خواہ دوسرے لوگوں کے تو روانہ ہونے سے پہلے ہی اس کا معاملہ بھی پوری فکر اور کوشش سے صاف کر لینا چاہئے مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ حقوق ادا کر دئے جائیں یا حقدار دل سے معاف کرائے جائیں۔

بہر حال اس کی پوری فکر اور کوشش کیجئے کہ آپ حج کے لئے ایسے حال میں روانہ ہوں کہ سچی توبہ و استغفار کے ذریعہ گناہوں کی گندگی اور ناپاکی سے اپنے آپ کو پاک صاف کر چکے ہوں اور اللہ کے بندوں کے حقوق کا بوجھ بھی آپ کی پیٹھ پر نہ ہو۔

روانگی جب گھر سے روانگی کا وقت آئے تو جہاں تک ہو سکے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ دو رکعت نفل نماز آپ اپنے گھر میں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ایسے مبارک کام کی آپ کو توفیق دی اور اس کے بعد دعا کریں اور اس وقت سفر میں آسانی کی اور ہر طرح کی خیر و عافیت کی اور گناہوں سے بچے رہنے کی اور حج مقبول نصیب ہونے کی دعا خصوصیت سے اور خوب دل سے مانگیں۔

اس کے بعد گھر والوں سے رخصت ہو کر اللہ کا نام لے کر گھر سے چل دیں۔ اب آپ کا سفر شروع ہو گیا

ایک دو دن آپ کے بمبئی پہنچنے تک ریل میں گزریں گے۔ پھر کچھ دنوں آپ کو بمبئی ٹھہرنا ہوگا اس کے بعد بمبئی سے آپ جہاز پر سوار ہو جائیں گے اور کم و بیش دس بارہ دن آپ کے جہاز میں گزریں گے۔ سفر کے اس زمانہ میں جن باتوں کا آپ کو خاص طور سے خیال رہنا چاہئے وہ یہ ہیں۔ نماز اور جماعت کا پورا اہتمام رہے، جہاں تک ہو سکے ہر نماز وقت پر اور جماعت سے پڑھی جائے، ساتھیوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ محبت اور خدمت کا ہو، کسی سے لڑائی جھگڑا نہ ہو، کسی کو آپ سے تکلیف نہ پہنچے، گناہ کے کاموں اور گناہ کی باتوں کے علاوہ بیکار اور فضول باتوں سے بھی اپنی حفاظت کی جائے۔ آپ کے ساتھ والے حاجی جو آپ سے زیادہ دین کے جاننے والے ہوں اُن سے یا اچھی معتبر کتابوں کی مدد سے دین سیکھنے کا، اور جو آپ سے کم جاننے والے ہوں ان کو سکھانے اور بتانے کا سلسلہ آپ برابر جاری رکھیں، اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے بھی غافل نہ ہوں۔

تبلیغی جماعتوں کے ساتھ آپ نے بارہا سفر کئے ہیں۔ یہ سفر بھی بس اسی طرح اور ان ہی پابندیوں کے ساتھ کرنا چاہئے اور راستہ میں اسی طریقہ پر تبلیغ و دعوت اور تعلیم اور دوسروں کی خدمت میں اپنے اوقات کو مشغول رکھنا چاہئے خصوصاً حج کا طریقہ سیکھنے سکھانے اور حج کی تیاری کرنے اور دوسروں کو کرانے کی طرف سفر کے اس زمانے میں خاص طور سے دھیان دینا چاہئے۔

میقات پر احرام

کئی دن جہاز چلنے کے بعد جب جدہ کا راستہ ایک ڈیڑھ دن کا رہ جاتا ہے تو وہ مقام آتا ہے جہاں سے ہندوستانی حاجیوں کو احرام باندھنا ہوتا ہے لیکن یہاں احرام صرف وہی حاجی باندھتے ہیں جو جدہ اتر کر پہلے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتے ہوں ۔۔۔ اور جن حضرات کا ارادہ مکہ معظمہ کی حاضری سے پہلے مدینہ طیبہ حاضر ہونے کا ہو ان کے لئے احرام باندھنے کا وقت اور موقع جب آئے گا جب وہ مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوں گے۔ ۔۔۔ آپ غالباً پہلے مکہ معظمہ ہی جائیں گے اس لئے آپ کو جہاز ہی میں اسی مقام پر احرام باندھنا ہوگا۔ جہاز کے اس خاص مقام پر پہنچنے سے کئی گھنٹے پہلے سے جہاز میں اس کا چرچا ہونے لگے گا اور جہاز کے کپتان کی طرف سے اعلان بھی کیا جائے گا۔ اس وقت آپ بھی احرام کے لئے تیار ہو جائیں۔ اگر حجامت بنوانے کا موقع مل جائے تو حجامت بنوالیں، ناخن ترشوالیں، بغل وغیرہ کی صفائی کرلیں اور خوب اچھی طرح غسل کرلیں (واضح رہے کہ احرام سے پہلے حجامت اور بغل وغیرہ کی صفائی اور غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے لہذا اگر ان چیزوں کا موقع نہ ملے تو صرف وضو کرلیا جائے۔ احرام کیلئے صرف وضو کرنا ضروری ہے۔)

حج و عمرہ احرام باندھنے کا طریقہ معلوم کرنے سے پہلے آپ یہ بات سمجھ لیجئے کہ خاص مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد جو عبادت ادا کی جاتی ہے وہ ایک تو حج ہے اور اس کے علاوہ ایک عمرہ ہے اس کو یوں سمجھئے کہ یہ گویا چھوٹے قسم کا ایک حج ہے۔ حج تو نماز، زکوٰۃ اور رمضان کے روزوں کی طرح اسلام کے فرائض اور بنیادی ارکان میں سے ہے مگر عمرہ فرض نہیں ہے بلکہ صرف سنت ہے ——— اسی کے ساتھ اب آپ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جو لوگ حج کو جاتے ہیں اگر ان کا ارادہ یہ ہو کہ وہ مکہ معظمہ پہنچ کر حج سے پہلے کوئی عمرہ نہ کریں گے بلکہ پہلے حج ہی کریں گے تو حج کی اس صورت کو اِفْرادْ کہتے ہیں اور اگر ان کا ارادہ یہ ہو کہ پہلے جا کر عمرہ کریں گے اور پھر حج ادا کریں گے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ہی احرام باندھا جائے اور ایک ہی احرام سے دونوں کو ادا کرنے کی نیت کی جائے تو اس کو قِران کہتے ہیں، اور اگر ایسا کیا جائے کہ پہلا احرام صرف عمرہ کے لئے باندھا جائے اور وہاں پہنچ کر عمرہ ادا کر کے وہ احرام کھول دیا جائے اور پھر حج کے لئے مکہ معظمہ ہی میں دوبارہ احرام باندھا جائے اور اس سے حج ادا کیا جائے تو حج کی اس صورت کو تمتع کہتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اگرچہ افضل قِران کی صورت ہے لیکن اکثر لوگوں کے لئے وہ مشکل ہے کیونکہ اس میں میقات پر جو احرام باندھا جاتا ہے وہ حج سے فارغ ہونے تک رہتا ہے اور اتنے دنوں تک احرام کی پابندیوں کا نباہنا عوام کے لئے ہی نہیں بلکہ بہت سے خواص کے لئے بھی مشکل ہوتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ناواقفی کی وجہ سے یا بھول چوک سے ایسی باتیں اور ایسی چیزیں ہو جاتی ہیں، جو احرام کی حالت میں نہیں ہونی چاہئیں اور ان کی وجہ سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے (اور اِفراد میں بھی یہی مشکل ہے) اس لئے اکثر لوگوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ تمتع والی شکل اختیار کریں۔ آپ کو بھی میرا مشورہ یہی ہے ——— جب یہ بات آپ نے سمجھ لی اور جان لی تو اب سنئے!

جہاز پر جب میقات کے قریب آنے کا اعلان کیا جائے تو جیسا کہ اوپر ابھی میں نے بتلایا کہ آپ نہا دھو کر اور میل کچیل اور ہر قسم کی گندگی سے جسم کو پاک صاف کر کے احرام کی ایک چادر باندھ لیں اور ایک اوڑھ لیں۔

احرام اور اس کا طریقہ احرام دراصل ان چادروں کے پہن لینے کا نام نہیں ہے اور نہ صرف اس لباس کے پہن لینے سے احرام شروع ہوتا ہے بلکہ آپ کا احرام دراصل اس وقت شروع ہوگا جب آپ احرام کی دو رکعتیں پڑھ کے حج یا عمرہ کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھیں گے اور اسی وقت سے آپ پر احرام کی پابندیاں لگیں گی ——— ابھی اوپر لکھ چکا ہوں کہ آپ کے لئے تمتع بہتر ہے تو آپ ایسا کریں کہ جب جہاز میقات کے قریب پہنچے تو جیسا کہ میں نے ابھی اوپر بتلایا آپ

نہا دھو کے ایک چادر باندھ لیں اور ایک اوڑھ لیں اور خوب خشوع خضوع کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھیں اس نماز میں احرام کی اوڑھنے والی چادر سر سے اوڑھے رکھیں اور جیسے ہی سلام پھیریں تو چادر سر پر سے اتار لیں یعنی سر کھول لیں اور صرف عمرہ کی نیت کر کے کسی قدر آواز کے ساتھ تین دفعہ تلبیہ پڑھیں تلبیہ یہ ہے :-

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ

اس کا مطلب یہ ہے کہ "اے میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں تیرے حضور حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں میں حاضر ہوں، سب تعریفیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں اور ساری نعمتیں تیری ہی بخشی ہوئی ہیں اور حکومت و بادشاہت صرف تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں ہے"

(اس تلبیہ کو پہلے ہی سے خوب یاد کر لینا چاہئے اور اس کے معنی مطلب کو بھی اچھی طرح خیال میں بٹھا لینا چاہئے اور یہ سمجھ کر پڑھنا چاہئے کہ میں اپنے اللہ سے عرض کر رہا ہوں اور وہ سن رہا ہے)

احرام کی دو رکعتیں پڑھ کر اور سلام پھیر کر جیسا کہ اوپر بتلایا گیا ہے آپ عمرہ کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ "میں صرف تجھے راضی کرنے کے لئے عمرہ کا احرام باندھتا ہوں تو مجھے صحیح طریقہ پر عمرہ کرنے کی توفیق دے، اور شیطان کے اور نفس کے شر سے میری حفاظت کر اور میرا عمرہ قبول فرما" اس کے علاوہ اور بھی جو چاہیں اچھی دعائیں اس وقت مانگیں۔

اب جب آپ نے عمرہ کی (یا حج کی) نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیا تو آپ احرام میں داخل ہو گئے۔ اب جب تک کہ آپ مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا نہ کر لیں اس وقت تک کوئی سلا کپڑا نہیں پہن سکتے۔ سر اور چہرہ کسی وقت بھی نہیں ڈھک سکتے، ایسا جوتا بھی نہیں پہن سکتے جس سے پاؤں کی پشت کی ابھری ہوئی ہڈی ڈھک جائے، حجامت نہیں بنوا سکتے بلکہ جسم کے کسی حصے کا ایک بال بھی نہیں توڑ سکتے، ناخن نہیں تراش سکتے، کسی قسم کی خوشبو نہیں لگا سکتے، بیوی سے ہم بستر نہیں ہو سکتے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں کر سکتے جو اس خواہش کو ابھارنے والی ہو اور جس سے نفس کو لذت ملتی ہو کسی جانور کا شکار نہیں کر سکتے، بلکہ اپنے جسم پر یا کپڑے پر چلتی ہوئی جوں بھی نہیں مار سکتے۔[1]

یہ ساری پابندیاں آپ پر اس وقت تک رہیں گی جب تک کہ مکہ معظمہ پہنچ کر آپ عمرہ سے فارغ

[1] عورتوں کے لئے بھی احرام کے یہی احکام ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ سلے کپڑے پہن سکتی ہیں، اور ان کے لئے سر کھلا رکھنے کا حکم بھی نہیں ہے۔ البتہ چہرہ کھلا رکھنے کا حکم ہے یعنی احرام کی حالت میں عورتوں کو بھی چہرہ پر کوئی کپڑا نہیں ڈالنا چاہئے غیر مردوں کا اگر کہیں سامنا ہو تو پنکھے جیسی کسی چیز کی آڑ کر لینی چاہئے۔

ہوں گے (اور جو لوگ حج قران یا افراد کا ارادہ کریں گے یعنی اسی احرام میں عمرہ کے ساتھ حج کی بھی نیت کریں گے یا صرف حج ہی کی نیت کریں گے اُن کے لئے یہ پابندیاں گویا حج سے فارغ ہونے تک رہیں گی)

حج اور عمرہ کے سلسلہ کا پہلا عمل یہی احرام ہے۔ آپ جس وقت اپنے گھر سے چلے تھے اگرچہ اسی وقت سے آپ سفر حج میں ہیں لیکن ابھی تک آپ نے حج یا عمرہ کے سلسلہ کا کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ اب احرام باندھ کے آپ نے گویا عمرہ کا یا حج کا عمل شروع کر دیا۔ حج و عمرہ کے لئے جانے والا بندہ احرام باندھ کے اور تلبیہ پڑھ کے عمرہ کے یا حج کے عمل میں اسی طرح داخل ہو جاتا ہے جس طرح نماز پڑھنے والا بندہ نماز کی نیت کر کے اور تکبیر تحریمہ کہہ کے نماز میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب آپ کا فرض ہے کہ احرام کی ساری پابندیوں کا خیال رکھیں، احرام کی حالت میں جن باتوں اور جن چیزوں کی ممانعت ہے ان سے پوری احتیاط رکھیں کسی سے لڑائی جھگڑا بالکل نہ کریں، خواہ تیزی اور غصہ کا کیسا ہی موقع آئے مگر غصہ بالکل نہ آنے دیں۔ اور تلبیہ کثرت سے پڑھتے رہیں۔

جدہ اور وہاں سے مکہ معظمہ جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے جس جگہ سے احرام باندھا جاتا ہے وہاں سے جدہ کا راستہ ایک ڈیڑھ دن کا رہ جاتا ہے۔ خدا نے چاہا تو آپ کا جہاز آپ کو خیر و عافیت کے ساتھ جدہ اُتار دے گا۔ وہاں آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کا معلم کون ہے؟ آپ جس معلم کا نام بتلا دیں گے اسی کے وکیل کے حوالہ آپ کو کر دیا جائے گا۔ وہ وکیل اسی دن یا اگلے دن آپ کے لئے مکہ معظمہ جانے کے واسطے موٹر یا لاری کا انتظام کرے گا۔ جدہ سے روانہ ہو کر آپ بس دو تین گھنٹے میں انشاء اللہ مکہ معظمہ پہنچ جائیں گے۔ جب آپ کو اللہ کا وہ پاک شہر نظر آنے لگے اور اس کی عمارتیں کچھ دکھائی دینے لگیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

- اے اللہ مجھے اپنے اس مقدس شہر میں ایمان اور خیر و عافیت کے ساتھ پہنچا اور اطمینان کے ساتھ رہنا نصیب فرما اور اس کا حق اور اس کا ادب ادا کرنے کی توفیق دے۔

پھر جب آپ کی موٹر مکہ معظمہ کی آبادی میں داخل ہونے لگے تو آپ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں تیرا فرض ادا کرنے اور تیری رحمت کا طالب بن کر آیا ہوں تو میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور میرا حج صحیح طریقہ سے ادا کرا دے اور اس شہر کی خاص برکتیں مجھے نصیب فرما!

یہ بات آپ یاد رکھیں کہ یہ دعائیں کرنا کوئی فرض یا واجب نہیں ہے اگر آپ نے اس موقع پر یہ دعائیں نہ کیں جب بھی آپ کے حج یا عمرہ میں کوئی نقصان نہیں آئے گا لیکن اس طرح موقع موقع دعائیں کرنے سے حج کی نورانیت

اور برکت بہت بڑھ جاتی ہے۔

پہلا کام مسجد حرام کی حاضری اور عمرہ کی ادائیگی

موٹر آپ کو آپ کے معلم کے گھر اتار دے گی۔ جہاں تک ہو سکے آپ اسی وقت بیت اللہ شریف کی زیارت اور عمرہ کا طواف کرنے کے لئے مسجد حرام جائیں (اگر وضو نہ ہو تو وضو کر لیں کیونکہ طواف کے لئے وضو ضروری ہے)

اگر آپ کو اللہ کے کسی ایسے بندہ کا ساتھ نصیب ہو جائے جو حج و عمرہ کے مسائل سے اچھی طرح واقف ہوں اور اس کا طریقہ جانتے ہوں اور جو پہلے سے اس کا تجربہ بھی رکھتے ہوں تو آپ کے لئے یہ بہتر ہے کہ آپ ان کو ساتھ لے کر مسجد حرام جائیں اور ان ہی کی رہنمائی میں عمرہ کا طواف اور سعی کریں اور اگر ایسا نہ ہو تو عام قاعدہ یہ ہے کہ معلم خود یا ان کے ملازمین یہ سارے کام خود ساتھ ہو کر کراتے ہیں اس لئے آپ کے معلم طواف وغیرہ کرانے کے لئے اپنا کوئی آدمی آپ کے ساتھ کر دیں گے آپ ان ہی کے ساتھ مسجد حرام جائیں اور ان ہی کی رہنمائی میں طواف اور سعی کریں ـــــ اس موقع کیلئے مسجد حرام کے ادب اور طواف و سعی کے متعلق چند خاص باتیں بھی میں یہاں لکھتا ہوں

جب آپ مسجد شریف میں داخل ہونے لگیں تو دل کے پورے ادب کے ساتھ اور بسم اللہ پڑھ کے پہلے داہنا پاؤں دروازے کے اندر رکھیں اور وہی دعا پڑھیں، جو ہر مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھی جاتی ہے اور جو آپ کو بھی یاد ہوگی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ	اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے
اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔	اپنی رحمت کے دروازے کھول دے

پھر اندر پہنچ کے بیت اللہ شریف پر جب آپ کی نظر پڑے تو اللہ تعالیٰ سے آپ دعا کریں۔

اے اللہ اپنے اس پاک اور مبارک گھر کو اور زیادہ عظمت اور برکت دے اور حج و عمرہ کے لئے آنے والے تیرے بندوں میں سے جو تیرے اس گھر کی پوری پوری تعظیم کریں تو ان کے درجے بلند کر اور یہاں کی خاص برکتیں اور رحمتیں ان کو نصیب فرما: اے کعبہ کے رب دنیا اور آخرت کی سب تکلیفوں اور بری حالتوں سے مجھے اپنی پناہ میں لے۔

اس کے علاوہ اور بھی جو جی چاہے اس وقت دعا مانگیں یہ موقع دعا کی مقبولیت کے خاص موقعوں میں سے ہے ـــــ یہ بات ہمیشہ کے لئے یاد رکھیں کہ اس موقع پر اور سارے حج میں کسی موقع پر بھی عربی میں دعا مانگنا بالکل ضروری نہیں ہے۔ معلم لوگ اور ان کے آدمی عربی بالکل نہ جاننے والے حاجیوں کو بھی عربی کی جو لمبی لمبی دعائیں ہر موقع پر جس طرح پڑھواتے ہیں وہ نہایت غلط طریقہ ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے بہتر اور آسان

یہ ہے کہ بعض چھوٹی چھوٹی دعائیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں وہ معنی مطلب کے ساتھ بس ان دعاؤں کو یاد کرلیں اور ان ہی کو پڑھا کریں۔ ان کے علاوہ جو دعا مانگنی ہو اللہ پاک سے اپنی زبان میں مانگیں۔

دعا کے متعلق آپ کو یہ بات بتلانی ضروری تھی اس لئے یہاں لکھدی، اب طواف اور سعی کے متعلق چند ضروری ضروری باتیں لکھتا ہوں۔

طواف مسجد حرام میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے آپ کو طواف کرنا ہوگا۔ آپ کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جہاز میں آپ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے اور عمرہ ہی کی نیت کی ہے اس لئے اب آپ کو عمرہ ہی کا طواف کرنا ہے۔ عمرہ کا احرام باندھتے وقت آپ نے تلبیہ شروع کیا تھا اور اب تک کثرت سے اس کے پڑھنے کا آپ کو حکم تھا، اب جب آپ عمرہ کا طواف شروع کریں گے تو تلبیہ کا وہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ عمرہ کا احرام باندھنے والوں کا تلبیہ طواف شروع کرنے پر ختم ہو جاتا ہے۔

نیا آدمی طواف کسی واقف ہی کے ساتھ اور اس کی رہنمائی ہی میں کر سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کسی ایسے بندہ کا ساتھ نصیب فرما دے جو طواف کا صحیح طریقہ بھی جانتے ہوں اور تجربہ بھی رکھتے ہوں تو پھر تو بس انہی کی رہنمائی آپ کے لئے کافی ہوگی لیکن اگر معلم صاحب کے آدمی کی رہنمائی میں آپ طواف کریں تو ان چند باتوں کا خیال رکھیں۔

طواف حجر اسود کے سامنے سے شروع کیا جاتا ہے اور سات چکر پورے ہو جانے پر ایک طواف پورا ہوتا ہے۔

طواف کا طریقہ طواف کا طریقہ یہ ہے کہ جب طواف کرنے کا ارادہ ہو تو حجر اسود کے سامنے اس طرح کھڑے ہوں کہ اپنا داہنا مونڈھا حجر اسود کے بائیں کنارے کی سیدھ میں ہو اور پورا حجر اسود آپ کے داہنی جانب ہو، یہاں کھڑے ہو کر آپ طواف کی نیت کریں۔ —— نیت دراصل تو دل کے ارادہ کا نام ہے لیکن اچھا ہے کہ اس وقت آپ زبان سے بھی یہ کہیں کہ "اے اللہ میں تیرے حکم کے مطابق تیرے اس پاک گھر کا طواف کرنا چاہتا ہوں تو صحیح طریقہ سے اس کو کرا دے اور قبول کرلے"

یہ نیت اور دعا کرنے کے بعد آپ ذرا داہنی طرف بڑھ کے حجر اسود کے بالکل مقابل میں آجائیں کہ حجر اسود آپ کے چہرہ اور سینہ کی سیدھ میں ہو اور نماز کی طرح دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کے کہیں بسم اللہ اللہ اکبر، پھر اگر موقع ہو تو آگے بڑھ کے ادب سے حجر اسود کو چومیں اور اگر طواف کرنے والوں کی کثرت اور کشمکش کی وجہ سے حجر اسود کو چومنے کا اس وقت موقع نہ ہو تو آپ صرف اتنا کریں کہ اپنا داہنا ہاتھ اس کو لگا کر بس ہاتھ کو چوم لیں اور اگر یہ بھی مشکل ہو تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ حجر اسود کے مقابلہ میں، جہاں آپ کھڑے ہیں وہیں سے اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں حجر اسود کی جانب کرکے (اس طرح کہ اس وقت آپ کے ہاتھوں کی پشت

آپ کے چہرہ کی طرف ہو) بس اپنی ہتھیلیوں ہی کو چوم لیں۔ شریعت میں یہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ خود حجر اسود کا چومنا —— تو ان میں سے جو صورت بھی ہو سکے آپ اسی کو کرکے طواف شروع کر دیں۔

ایک طواف میں خانہ کعبہ کے سات چکر لگائے جاتے ہیں اور طواف کرنے والا حجر اسود کے سامنے سے چل کر جب پھر حجر اسود کے سامنے پہنچتا ہے تو ایک چکر پورا ہوتا ہے اس طرح کے سات چکر جب پورے ہو جائیں تو ایک طواف ہوتا ہے۔

ہر چکر میں جب حجر اسود کے سامنے سے گزرنا ہو تو اگر اس کو چومنے کا موقع ملے تو ہر دفعہ ادب سے اس کو چوم کے آگے بڑھا جائے اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو ابھی اوپر جیسا کہ بتلایا اپنا داہنا ہاتھ اس تک پہنچا کے اسی کو چوم لیا جائے یا اپنی ہتھیلیاں دور ہی سے اس کی طرف کرکے ان ہی کو چوم لیا جائے۔ اس کو "استلام" کہتے ہیں اور استلام کی یہ تینوں صورتیں ہیں مطلب یہ ہے یہ استلام طواف کے ہر پھیرے میں کیا جاتا ہے بعض لوگ ہر پھیرے میں جب حجر اسود کے سامنے پہنچتے ہیں تو نماز کی طرح دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے اس طرح کانوں تک ہاتھ صرف طواف شروع کرتے وقت اُٹھائے جاتے ہیں —— آپ اس کا خیال رکھیں۔

بعض جاہل لوگ حجر اسود تک پہنچنے اور اُس کو چومنے کے لئے بڑی زبردستی اور دھینگا مشتی کرتے ہیں۔ اللہ کے دوسرے بندوں کو دھکے تک دیدیتے ہیں، ایسا کرنا بڑی سخت بے ادبی اور بڑے گناہ کی بات ہے۔ اس معاملہ میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے۔ آپ کا دل حجر اسود چومنے کو خواہ کتنا ہی چاہے لیکن ہرگز ایسا نہ ہو کہ اللہ کے کسی بندہ کو تکلیف پہنچا کر آپ حجر اسود چومنے کی کوشش کریں۔

طواف کی دعائیں عام معلمین اور ان کے آدمی طواف میں حاجیوں سے جس طرح لمبی لمبی دعائیں پڑھواتے ہیں جن کو اکثر حاجی بالکل نہیں سمجھتے، بلکہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے زیادہ تر غلط سلط پڑھتے ہیں تو یہ طریقہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہو بہت غلط ہے اور طواف کو بالکل بے لطف بنا دینے والا ہے۔ اللہ و رسول نے طواف کے لئے کوئی خاص دعا مقرر نہیں کی ہے اور خاص کر یہ دعائیں جو معلم لوگ پڑھواتے ہیں ان کا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طواف میں پڑھنا ثابت بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت چھوٹی چھوٹی یہ دو دعائیں طواف میں پڑھنا ثابت ہے آپ ان دونوں کو یاد کرلیں۔

(۱) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ — اے اللہ میں تجھ سے گناہوں کی معافی اور عافیت مانگتا ہوں دنیا اور آخرت میں۔

(۲) رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً — اے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی اچھی حالت نصیب

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ فرما اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا

یہ دوسری دعا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں کثرت سے پڑھا کرتے تھے قرآن شریف کی ایک آیت ہے

قرآن شریف میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں اور بھی چھوٹی چھوٹی ایسی بہت سی دعائیں ہیں، جو یاد کرنے کے لایق ہیں اور طواف میں اور دوسرے موقعوں پر پڑھنے کے لئے بھی نہایت مناسب ہیں اور بڑی آسانی سے یاد ہو سکتی ہیں میں اُن میں سے صرف چار پانچ اور یہاں لکھے دیتا ہوں آپ ان کو یاد کرلیں۔

(۳) اَللّٰهُمَّ غَشِّنِي بِرَحْمَتِكَ وَجَنِّبْنِي عَذَابَكَ — اے اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانک لے اور اپنے عذاب سے بچا دے

(۴) يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ — اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور سب کے تھامنے والے بس تیری رحمت سے میں مدد چاہتا ہوں

(۵) لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ○ — اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالموں اور خطا واروں میں ہوں۔

(۶) رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ — پروردگار بخشدے اور رحم فرما تو سب سے اچھا رحم کرنے والا ہے

(۷) اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لَنَا أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَسَهِّلْ لَنَا أَبْوَابَ رِزْقِكَ — اے اللہ ہمارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور رزق کی راہیں ہمارے لئے آسان کردے۔

اللہ کے جو بندے زیادہ پڑھے لکھے نہوں ان کے لئے یہی بہتر اور بالکل کافی ہے کہ وہ ایسی ہی چھوٹی چھوٹی دعائیں معنی مطلب کے ساتھ یاد کرلیں اور طواف میں ان ہی کو پڑھا کریں لیکن ضروری یہ بھی نہیں ہے اس لیے اگر طواف میں صرف سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر یا درود شریف یا صرف یا اللہ، یا اللہ، یا اللہ ہی پڑھتے رہیں جب بھی طواف ہو جائے گا۔

طواف کے سلسلہ میں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مکہ معظمہ پہنچ کر یہ جو پہلا طواف آپ کریں گے یہ عمرہ کا طواف ہے اور اس کے بعد آپ کو عمرہ کی سعی کرنی ہوگی اور یہ قاعدہ ہے کہ جس طواف کے بعد سعی کرنی ہو اس طواف میں رَمَل کیا جاتا ہے۔

رَمَل اس کو کہتے ہیں کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں پہلوانوں کی طرح سینہ تان کے اور شانے ہلاتے ہوئے ذرا تیز چلا جائے اور قدم قریب قریب ڈالے جائیں۔ اور اس وقت احرام کی اوپر والی چادر اس طرح اوڑھی جائے کہ اس کا داہنا حصہ داہنے ہاتھ کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر

ڈال لیا جائے۔ عربی میں اس کو "اضطباع" کہتے ہیں ——— تو مطلب یہ ہے کہ اپنے اس طواف کے پہلے تین چکروں میں آپ رَمَل بھی کریں اور اضطباع بھی کریں اور باقی چار چکروں میں اپنی چال کے مطابق چلیں۔ (یاد رہے کہ عورتوں کے لئے طواف میں نہ رمل کا حکم ہے نہ اضطباع کا)

طواف کے ساتوں چکر پورے کر کے جب آپ حجر اسود کے مقابلہ میں پہنچیں تو پھر حجر اسود کا "استلام" اسی طریقہ سے کریں جو پہلے بتلایا جا چکا ہے ——— اب آپ کا طواف پورا ہو گیا۔

طواف سے فارغ ہو کر آپ دو رکعت نماز، مقام ابراہیم کے پیچھے یا حطیم میں یا مسجد حرام میں جہاں بھی جگہ مل جائے پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد خاص اہتمام سے دعا مانگیں۔

ہر طواف کے ختم پر یہ دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ مقام ابراہیم میں بڑی کشمکش رہتی ہے وہاں کشمکش میں نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ حطیم میں یا مسجد حرام میں کسی دوسری جگہ پڑھ لی جائے۔

یہ دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد مُلتزم پر جا کر آپ دعا کریں۔ بیت اللہ شریف میں جس طرف دروازہ ہے اسی طرف دروازہ سے لے کر حجر اسود تک دیوار کعبہ کا جو حصہ ہے۔ اس کو مُلتزم کہتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس سے چمٹ چمٹ کر دعائیں کیا کرتے تھے تو طواف کے بعد والی ان دو رکعتوں سے فارغ ہو کر آپ اس مُلتزم پر جائیں اور اگر موقع مل جائے تو اس سے چمٹ کر اور اپنے سینہ و رخسار کو اس سے لگا کر دعا مانگیں۔ دعا کی قبولیت کی یہ خاص جگہ اور خاص موقع ہے۔

یہاں کی دعا سے فارغ ہو کر آپ زمزم شریف پر جائیں اور خوب سیر ہو کر تین سانس میں آب زمزم شریف پئیں۔ شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہیں اور دعا مانگیں۔

ان سب موقعوں پر بھی معلم لوگ عربی میں دعائیں پڑھواتے ہیں جن کو اکثر لوگ بالکل نہیں سمجھتے، آپ تو اپنی زبان ہی میں دعا مانگیں لیکن جہاں تک ہو سکے خوب دل سے مانگیں۔ دعا دراصل وہی ہے جو دل سے مانگی جائے۔

اس کے بعد آپ کو سعی کرنا ہو گی۔ طواف کی طرح یہ سعی بھی آپ کسی نہ کسی کی رہنمائی میں کریں گے اس کے متعلق دو تین باتیں یاد رکھیں۔

(۱) جب آپ سعی کرنے کے لئے مسجد حرام سے چلیں تو پیچھے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق حجر اسود کا استلام کر کے مسجد حرام کے دروازہ "باب الصفا" سے نکل کر صفا پر آئیں یہاں کئی سیڑھیاں ہیں، آپ پہلی ہی سیڑھی پر قبلہ کی طرف رُخ کر کے جب کھڑے ہوں گے تو بیت اللہ شریف آپ کی نگاہ کے سامنے ہو گا۔ آپ وہیں

کھڑے ہوکے اور اس طرح ہاتھ اٹھاکے جس طرح دعا کے لئے اُٹھائے جاتے ہیں خوب دل لگا کر اور دیر تک دعا کریں۔ اس دعا میں سب سے پہلے اگر اللہ کی توحید کا یہ کلمہ آپ پڑھیں تو بہت اچھا ہے

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے یکتا ہے اس کا
لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل	کوئی شریک ساجھی نہیں، بادشاہت اسی کی ہے اور
شیئٍ قدیر	وہی ہر تعریف کے قابل ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے

اس کے بعد جو جی چاہے دعا کریں اور خوب اطمینان سے دعا کریں۔ اسی طرح صفا سے چل کر آپ مروہ پہنچیں تو وہاں بھی خوب اطمینان سے اور ٹھہر کر دعا کریں ـــــ اور راستہ میں بھی اللہ سے غافل ہوکر نہ چلیں بلکہ برابر اللہ کی یاد میں لگے رہیں اور اُس سے دعا کرتے رہیں ـــــ سعی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چھوٹی سی دعا ثابت ہے آپ اس کو یاد کرلیں۔ بڑے پیارے لفظ ہیں۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ	میرے پروردگار بخش دے اور رحم فرما تو بہت غالب
الْاَكْرَمُ	اور بڑا طاقتور ہے اور بڑا کریم ہے

(۲) سعی میں بہت سے لوگوں کو چند غلطیاں کرتے دیکھا ہے آپ اُن سے بچیں۔

بعض لوگ صفا اور مروہ پر پہنچ کر اس طرح کانوں تک ہاتھ اُٹھاتے ہیں جس طرح نماز کے شروع میں اُٹھائے جاتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

بعض لوگ صفا اور مروہ کی بالکل اوپر کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوتے ہیں یہ غلط کام ہے پہلی دوسری سیڑھی سے اوپر جانے کی ضرورت نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سعی میں صفا اور مروہ پر بہت اطمینان سے اور خوب دیر تک دعا فرمایا کرتے تھے، اب لوگ اس میں بہت کوتاہی کرتے ہیں۔ آپ ہر پھیرے میں جب صفا اور مروہ پر پہنچیں تو خوب اطمینان سے اور دل لگا کر دعا کریں۔ خاص کر سعی شروع کرتے وقت پہلی دفعہ صفا پر اور سعی کے ختم پر آخری دفعہ مروہ پر خوب ہی جی لگا کر اور دل سے دعا کرنا چاہئے۔

سعی کے ساتوں پھیرے پورے کرکے مسجد حرام میں آکر مطاف میں دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے۔ یہ فرض یا واجب تو نہیں ہے مگر سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اگر مطاف میں حجر اسود کے سامنے یہ دو رکعتیں پڑھیں تو اچھا ہے ورنہ جہاں جگہ مل جائے

اب آپ کا عمرہ پورا ہوگیا۔ عمرہ میں دو ہی کام کرنے ہوتے ہیں طواف اور سعی۔ اب آپ یہ دونوں کرچکے۔ اب آپ سر کے بال منڈا دیجئے، یا اگر منڈانے میں کوئی مجبوری ہو تو کتروا دیجئے۔ بس اب آپ کا احرام

ختم ہو گیا اور احرام کی ساری پابندیاں بھی ختم ہو گئیں

اس کے بعد سے ۸ ذی الحجہ تک آپ مکہ معظمہ میں بغیر احرام کے رہیے۔ آپ آپ کو ۸ ذی الحجہ تک کوئی خاص کام نہیں کرنا ہے۔ نفلی طواف جتنے ہو سکیں کیجیے۔ نفلی طواف کا طریقہ بھی وہی ہے جو پہلے لکھا جا چکا البتہ ان طوافوں میں رَمَل اور اضطباع نہیں کیا جائے گا۔

ان دنوں میں اگرچہ احرام کی پابندیاں آپ پر نہیں ہیں لیکن ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بہت بچیے خصوصاً لڑائی جھگڑے سے اور دوسروں کی برائی کرنے اور ان پر اعتراض کرنے سے اور کسی کے متعلق ناحق کی بدگمانی سے اپنے آپ کو اور اپنے دل و زبان کو بہت بچائیے اور جہاں تک ہو سکے بس ذکر و عبادت اور دعا اور توبہ و استغفار میں مشغول رہیے! اور سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اللہ کے کسی نیک اور صالح بندہ کا ساتھ پکڑ لیجیے۔ اور بس ان کے ساتھ اور ان کی صحبت میں رہیے۔ انشاء اللہ جو اچھے اور وہاں کرنے کے کام ہیں ان کی توفیق ملتی رہے گی اور جو بُرے اور نہ کرنے کے کام ہیں۔ ان سے بچنا آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔

حج کا احرام اور منیٰ کو روانگی :-

۸ ذی الحجہ کو آپ کو حج کے لئے دوبارہ احرام باندھنا ہوگا۔ یہ احرام اسی طرح باندھا جائے گا جس طرح آپ نے جہاز میں پہلی دفعہ باندھا تھا بس یہ فرق ہوگا کہ وہاں آپ نے عمرہ کی نیت کی تھی اور آج احرام باندھتے وقت آپ حج کی نیت کریں گے ——— اب اس احرام کے بعد پھر تلبیہ کی اسی طرح کثرت کیجیے اور ان سب موقعوں پر تلبیہ پڑھتے رہیے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

آج کے دن احرام باندھ کے آپ اور سارے حاجی منیٰ جائیں گے۔ منیٰ کا فاصلہ مکہ معظمہ سے بس تین چار میل ہے آپ کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ منیٰ پیدل جائیں خدا کے فضل سے آپ جوان ہیں تندرست ہیں۔

منیٰ پہنچ کر آپ کو کوئی خاص کام کرنا نہیں ہوگا۔ اگلی صبح تک صرف وہاں ٹھہرنا ہی عبادت ہے لیکن جہاں تک ہو سکے آپ یہ وقت ذکر و عبادت اور دعا و استغفار میں یا دین کی دعوت اور کوشش میں گزاریں

عرفات ۹ویں ذی الحجہ کی صبح کو سارے حجاج منیٰ سے عرفات روانہ ہوں گے، عرفات یہاں سے قریباً ۶ میل ہے۔ اگر آپ کو زیادہ تھک جانے کا اندیشہ نہ ہو تو آپ عرفات بھی پیدل ہی جائیے لیکن اگر یہ خطرہ ہو کہ آپ اتنا چل کر تھک جائیں گے اور اس تھکن کی وجہ سے عرفات میں دعا وغیرہ اچھی طرح نہ ہو سکے گی تو پھر آپ موٹر یا لاری سے چلے جائیں۔

آج کے دن عرفات میں ظہر کے بالکل شروع وقت میں مسجد نمرہ میں ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ہوگی۔ آج

لے حج کا احرام ۸ ذی الحجہ سے پہلے بھی باندھا جا سکتا ہے لیکن عوام کے لئے یہی اچھا ہے کہ وہ آٹھویں ہی کو منیٰ روانہ ہونے سے پہلے مسجد حرام میں احرام باندھیں۔

کے دن کے لئے شریعت کا یہی حکم ہے کہ عصر کی نماز بھی ظہر کے ساتھ ہی پڑھ لی جائے تاکہ شام تک کے واسطے دعا وغیرہ کے لئے بالکل فرصت ہو جائے۔ آپ اس جماعت میں شریک ہو سکیں تو دونوں نمازیں جماعت کے ساتھ ابھی وقت پڑھ لیں لیکن اگر کسی وجہ سے اس جماعت میں آپ کی شرکت نہ ہو سکے تو پھر آپ ظہر اپنے وقت پر اور عصر اپنے وقت پر پڑھیں۔

عرفات میں زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت نہایت ہی اہم اور بڑا قیمتی وقت ہے اس وقت میں اللہ کو دل کی جتنی گہرائی سے یاد کیا جا سکے، جتنا اُس کے سامنے رویا جا سکے اور جتنا کچھ اور جو کچھ اُس سے مانگا جا سکے، اُس میں ہرگز کمی نہ کی جائے ——— اللہ کی یاد کے کلموں میں سے اس کلمہ کی وہاں خاص طور سے کثرت کی جائے۔

لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ واحد ہے یکتا ہے اس کا
ولہ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر۔	کوئی شریک ساجھی نہیں اور ہر چیز پر وہ قدرت رکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عرفات کے دن میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی خاص پکار یہی کلمہ ہے۔

بہرحال اس کلمہ کے ذریعہ اور اس کے علاوہ بھی ذکر اللہ کے جن اچھے کلموں کے ذریعہ آپ چاہیں اللہ تعالیٰ کو یہاں خوب یاد کریں اور خوب دل سے اور درد کے اُس سے دعائیں کریں۔ یہاں کا خاص وظیفہ دعا و استغفار اور اللہ سے مانگنا اور اُس کے حضور میں رونا ہی ہے اس لئے دعاؤں اور رو رو کے اللہ سے مانگنے میں یہاں کوئی کمی نہ کریں۔ سب سے زیادہ اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے مغفرت اور گناہوں کی بخشش مانگیں، دوزخ سے اور ہر قسم کے عذاب سے نجات کی اور جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کی دعا کریں۔ اس کے علاوہ دنیا اور آخرت کی ہر خیر و برکت اور ہر بھلائی کا اللہ تعالیٰ سے سوال کریں پھر اپنے علاوہ اُن سب لوگوں کے لئے بھی دعا کریں جن کا آپ پر کوئی حق ہے اور کوئی تعلق ہو اور پھر حضور کی سب امت کے لئے بھی دعا کریں۔

عرفات میں اپنے خیمہ میں بھی آپ اسی ذکر و دعا میں اور توبہ و استغفار اور گریہ وزاری میں مشغول رہیں اور شام ہونے پر جب اپنے معلم کے ساتھ یا اُن کے کسی آدمی کے ساتھ آپ جبل رحمت پر جائیں تو وہاں بھی اللہ کی رحمت کی پوری پوری امید کے ساتھ خوب دعا کریں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور اپنے پروردگار سے بڑی بڑی دعائیں فرمائی تھیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی قبولیت کی خوش خبری بھی حضور کو مل گئی تھی۔

مزدلفہ آفتاب غروب ہونے تک آپ عرفات ہی میں رہیں گے اور غروب کے بعد بغیر مغرب کی نماز پڑھے آپ کو یہاں سے مزدلفہ جانا ہوگا۔ مزدلفہ عرفات سے قریب تین میل کے ہے، اگر اتنا پیدل چلنے میں زیادہ تھک جانے کا خطرہ نہ ہو تو یہی بہتر ہوگا کہ آپ مزدلفہ پیدل جائیں اور وہاں پہنچ کر مغرب اور عشا کی نماز ملا کر عشا ہی کے وقت میں پڑھیں۔ آج کے دن جس طرح ظہر اور عصر دونوں ملا کر عرفات میں ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح مغرب و عشا دونوں ملا کر عشا کے وقت میں مزدلفہ پہنچ کر پڑھی جاتی ہیں یہی شریعت کا حکم ہے اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

یہ رات یہیں مزدلفہ میں گزاری جائے گی۔ اس رات میں بھی جتنا ہو سکے خوب دل سے اللہ کا ذکر کیا جائے اور اس سے دعائیں کی جائیں، یہ بڑی بابرکت رات ہے، اس میں اس کی بڑی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، بہت سے حاجی عرفات سے آکر یہاں بس پڑ کے سو جاتے ہیں اور صبح کو اٹھتے ہیں۔ یہ بڑے گھاٹے کی بات ہے، عرفہ کے دن کی طرح اس رات میں بھی ذکر اور دعا کی کثرت کرنی چاہیئے۔ حدیثوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن عرفات کے میدان میں اللہ تعالیٰ سے امت کے حق میں کئی دعائیں کی تھیں۔ ان میں سے سب تو قبول ہو گئی تھیں لیکن ایک کی قبولیت کی خوشخبری اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہاں آپ کو نہیں ملی تھی۔ آپ نے مزدلفہ پہنچ کر رات میں پھر اپنے اللہ سے امت کے لئے وہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کی قبولیت کی بھی خوش خبری سنادی — تو آپ اس کو یاد رکھیں کہ یہ رات سونے میں اور غفلت میں ختم نہ ہو جائے، اگر نیند کا غلبہ ہو تو تھوڑا سا سو بھی لیجئے لیکن پھر زیادہ سویرے اٹھ کر تہجد پڑھیئے اور اللہ سے دعائیں کیجئے اور فجر کی نماز بھی اول وقت میں پڑھ لیجئے اور اس کے بعد بھی دیر تک اللہ کے ذکر میں اور دعا میں مشغول رہیئے اور جب سورج نکلنے کا وقت قریب آجائے تو یہاں سے منیٰ کے لئے چل دیجئے۔

مزدلفہ سے منیٰ یہاں سے منیٰ تین میل کے قریب ہے۔ وہاں پہنچ کر آج آپ کو کئی کام کرنے ہوں گے پہلا کام یہ ہے کہ آپ تین جمروں میں سے (جن کو حاجی شیطان کہتے ہیں) نمبر ۳ جمرہ پر، جو سب سے آخر میں ہے آپ سات کنکریاں ماریں گے۔ آج یہ کنکریاں زوال سے پہلے ہی صرف اسی ایک جمرہ پر ماری جائیں گی۔

کنکریاں مارنے کے لئے جمرہ سے ڈھائی گز کے فاصلہ پر اس طرح کھڑا ہونا چاہیئے کہ منیٰ داہنی جانب ہو اور مکہ معظمہ بائیں جانب، سات کنکریاں سات دفعہ میں کلمہ والی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑ کر مارنی چاہئیں اور ہر کنکری مارتے وقت کہنا چاہیئے "بسم اللہ اللہ اکبر"

تلبیہ ختم تلبیہ جو احرام باندھتے وقت شروع ہوا تھا اور جس کو چلتے پھرتے، اترتے چڑھتے، آپ اب تک برابر

بڑھتے تھے۔ آج کی یہ کنکریاں مارنے کے ساتھ اس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اب آپ ذکر کے دوسرے کلموں سے اپنی زبان تر رکھیں، تلبیہ پڑھنے کا حکم اب آپ کو نہیں رہا۔

قربانی یہ کنکریاں مار کر فارغ ہونے کے بعد آپ کو قربانی کرنی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو حاجی حج تمتع کرے یا حج قِرَان کرے تو اس پر ایک قربانی واجب ہے اور جو حاجی حج اِفراد کرے تو قربانی کرنا اس کے لئے واجب نہیں مستحب ہے ——— آپ نے چونکہ حج تمتع کیا ہے اس لئے آپ پر قربانی واجب ہے لہٰذا کنکریاں مارنے سے فارغ ہو کر آپ سیدھے قربان گاہ جایئے اور وہاں اپنی پسند کا قربانی کا جانور خرید کے قربانی کیجئے۔ قربانی کر کے سر کے بال منڈوایئے یا کتروایئے مگر جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے منڈانا افضل ہے۔

احرام ختم اب آپ کا حج کا احرام بھی ختم ہو گیا، اب آپ سلے ہوئے کپڑے پہن سکتے ہیں اور بیوی سے ہم بستری کے علاوہ وہ سارے کام کر سکتے ہیں، جو احرام کی وجہ سے آپ کے لئے منع ہو گئے تھے۔ آج ہی آپ کو مکہ معظمہ جاکے طواف زیارت کرنا ہوگا اس لئے جب آپ قربانی کر کے بال منڈوالیں یا کتروالیں تو خواہ نہا دھو کے اور کپڑے بدل کے اور خواہ احرام ہی پہنے ہوئے اسی حالت میں آپ مکہ معظمہ روانہ ہو جائیں اور وہاں پہنچ کر اسی طریقہ سے طواف کریں جس طریقہ سے آپ پہلے کر چکے ہیں۔ اس طواف کے بعد بیوی سے ہم بستری بھی جائز ہو جاتی ہے۔

طواف سے فارغ ہو کر طواف کے بعد والی دو رکعتیں پڑھیں، ملتزم پر جا کر دعا کریں، زمزم شریف پر جا کر آب زمزم پئیں اور پھر حجر اسود کا استلام کر کے صفا مروہ کی سعی کے لئے جائیں اور جس طرح پہلے دن عمرہ کے طواف کے بعد عمرہ کی سعی کی تھی اسی طرح آج اس طوافِ زیارت کے بعد حج کی سعی کریں ——— پھر سعی سے فارغ ہو کر مسجد حرام میں آکر مطاف میں اگر حجر اسود کے سامنے موقع مل جائے تو وہاں، ورنہ جہاں بھی موقع مل جائے دو رکعت نماز پڑھیں۔

طواف زیارت کے بعد منیٰ واپسی اور ۱۱-۱۲ کی رمی :-

آج منیٰ سے مکہ معظمہ آنا اس طواف اور سعی ہی کے لئے ہوا تھا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر پھر منیٰ جانا ہوگا وہاں کل اور پرسوں یعنی گیارھویں اور بارھویں ذی الحجہ کو تینوں جمروں کی رمی کرنی ہوگی یعنی تینوں ستونوں پر (جن کو عوام شیطان کہتے ہیں) کنکریاں ماری جائیں گی ——— صرف گیارھویں اور بارھویں کو رمی کر کے وہاں سے آجانا بھی جائز ہے لیکن اگر تیرھویں کو بھی وہاں ٹھہرا جائے اور اس دن بھی رمی کر کے واپسی ہو تو یہ افضل ہے۔ ان تینوں دن کی رمی کے متعلق چند باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

ایک یہ کہ ان تینوں دنوں میں ہر روز تینوں جمروں کی رمی ہوتی ہے یعنی تینوں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں

دوسرے یہ کہ ان تینوں دنوں میں رمی کے لئے افضل وقت زوال کے بعد کا ہے۔

تیسرے یہ کہ ان تینوں دنوں میں پہلے اور دوسرے جمرہ پر کنکریاں پھینکنے کے بعد جمرہ سے چند قدم آگے بڑھ کے قبلہ رو کھڑے ہو کر کچھ دیر تک دعا کرنا چاہئے ـــــ یہ موقع بھی دعا کی قبولیت کے خاص موقعوں میں سے ہے لیکن عام طور سے لوگ اس سے بڑی غفلت کرتے ہیں اور معلم اس چیز کو بالکل نہیں بتلاتے۔

آپ اس کو نہ بھولیں اور گیارھویں اور بارھویں کو جب آپ رمی کرنے جائیں تو پہلے اور دوسرے جمرہ پر کنکریاں پھینکنے کے بعد ذرا آگے بڑھ کر ضرور وہاں کھڑے ہو کر دعا کریں اور اگر تیرھویں کو بھی وہاں ٹھہریں اور رمی کریں تو اس دن بھی ایسا ہی کریں۔ ہاں آخری جمرہ کی رمی کرکے دعا نہیں کرنی چاہئے بلکہ بغیر دعا ہی کے واپس آجانا چاہئے۔ الغرض صرف پہلے اور دوسرے جمرے کی رمی کے بعد وہاں ٹھہر کر دعا کرنا مستحب ہے

حج کے بعد مکہ معظمہ میں قیام:

بارھویں یا تیرھویں کو آپ منیٰ سے مکہ معظمہ واپس آجائیں گے۔ الحمد للہ اب آپ کا پورا حج ادا ہو گیا۔ بس ایک آخری رخصتی طواف کرنا باقی ہے، جو مکہ معظمہ سے رخصت ہونے کے دن آپ کو کرنا ہوگا بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کے حج کے سب اعمال و ارکان ادا ہوگئے اللہ تعالیٰ قبول کرے اگر جہاز اور انتظام ہو جائے تو آپ آج ہی رخصتی طواف کر کے مکہ معظمہ سے روانہ ہو سکتے ہیں لیکن ایسا ہوتا نہیں، مکہ معظمہ سے اپنے ملک واپس ہونے والوں کو بھی اور زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جانے والوں کو بھی تھوڑی یا زیادہ مدت مکہ معظمہ میں ٹھہرنا ہی پڑتا ہے، آپ کو بھی ٹھہرنا پڑے گا۔ مکہ معظمہ کے اس قیام کو بہت ہی غنیمت اور اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھئے۔ کیسا خوش نصیب ہے وہ بندہ جسے اس کا مولا مہمان بنا کر زیادہ دنوں تک اپنے شہر میں رکھے ؎

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

بہت سے لوگوں کے متعلق سنا اور خود بھی دیکھا ہے کہ حج کے بعد وہ مکہ معظمہ میں ایک دن بھی دل سے اور خوشی سے رہنا نہیں چاہتے، ہر وقت جانے کی باتیں اور کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ بہت بری حالت اور بڑی محرومی کی بات ہے ـــــ اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے مکہ معظمہ سے جلدی واپس آجانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن دل نہ لگنا اور طبیعت کا وہاں سے اچاٹ ہو جانا مومن کی شان نہیں بلکہ منافقت کی نشانی ہے۔

بہرحال مجھے آپ سے یہ بات خاص طور سے کہنی ہے کہ حج کے بعد مدینہ طیبہ کے لئے موٹر ملنے کے انتظار میں آپ کو جتنے دنوں مکہ معظمہ میں ٹھہرنا ہو آپ پوری خوش دلی کے ساتھ ٹھہریں۔ ان دنوں میں خوب جی بھر کے دن رات نفلی طواف کریں، نفلی عمرے کرتے رہیں، مسجد حرام میں ذوق و شوق کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ ذکر و تلاوت میں مشغول رہیں اور خوب دعائیں کریں اور وہاں کی رحمتوں اور برکتوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹیں۔

مزے لوٹو کلیم اب بن پڑی ہے   بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

الکعبہ کا داخلہ حج کے زمانہ میں کسی کسی دن کعبہ شریف کا دروازہ بھی حاجیوں کے لئے کھولا جاتا ہے لیکن ایک تو وہاں جانے کے لئے عام طور سے رشوت چلتی ہے، دوسرے وہاں ایسی دھینگا مشتی ہوتی ہے جس کو دیکھنے ہی سے مومن کا دل کانپ جانا چاہئے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کے لئے کوئی ایسی صورت پیدا کر دے کہ وہ بغیر رشوت کے اور بغیر کسی کشمکش کے ادب کے ساتھ اللہ کے مقدس گھر میں داخل ہو سکے تو ضرور جائے ادب کے ساتھ پہلے داہنا پاؤں اندر رکھے اور دل و زبان سے کہے اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک پھر اندر پہنچ کر ادھر اُدھر گھومے بالکل نہیں۔ بس دروازے کے سامنے ذرا آگے بڑھ کے نہایت ادب اور خشوع خضوع کے ساتھ دو رکعت یا چار رکعت نماز پڑھے، ادھر اُدھر اور اوپر کی طرف نظر بھی نہ کرے کہ یہ خلاف ادب ہے۔ اور اگر رشوت اور زبردستی اور دھینگا مشتی کے بغیر داخلہ کی صورت نہ ہو تو صبر کرنا چاہئے اور ہرگز نہ داخل ہونا چاہئے اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور یہی شریعت کا حکم ہے۔

مکہ معظمہ سے رخصتی اور آخری الوداعی طواف

جب مکہ معظمہ سے رخصت ہونے کا دن آ جائے تو رخصت ہی کی نیت سے آخری وداعی طواف کرنا چاہئے۔ یہ طواف بھی آپ بالکل اسی طرح کریں گے جس طرح اس سے پہلے طواف آپ نے کئے ہیں۔ یہ آخری طواف کرتے وقت آپ کو قدرتی طور پر کعبہ شریف کی جدائی کا رنج و غم ہوگا اور ضرور ہونا چاہئے بلکہ جتنا زیادہ ہو اتنا ہی آپ کے لئے اچھا ہے اور سچے ایمان کی نشانی ہے —— دوسرے طوافوں کی طرح اس طواف کے بعد بھی دو رکعت نماز پڑھئے، اگر مقام ابراہیم کے پیچھے موقع مل جائے تو وہاں ورنہ جہاں موقع ملے وہاں پڑھئے اور اس نماز کو یہاں کی آخری نماز سمجھ کر خوب دل سے دعا کیجئے، پھر زمزم شریف پر آ کر رخصت ہی کی نیت سے آخری مرتبہ آبِ زمزم شریف پیجئے اور اللہ کا شکر ادا کیجئے اور دعا کیجئے، اس کے بعد ملتزم پر جائیے اور آج خوب لپٹ کے روئیے اور دعائیں کیجئے۔ آج خصوصیت سے یہ دعا ضرور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حج و عمرہ کو قبول فرمائے اور مکہ معظمہ اور کعبہ مکرمہ کے حقوق اور آداب کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں ہوئیں انہیں معاف فرمائے اور پھر یہاں کی حاضری نصیب فرمائے اور بار بار نصیب فرمائے۔

ملتزم سے ہٹ کر آخر میں پھر حجر اسود پر جائیے اور رخصتی ہی کی نیت سے آخری دفعہ اس کو چومئے اور حسرت سے بیت اللہ شریف کو دیکھتے ہوئے اور اللہ کا ذکر اور اس سے دعا کرتے ہوئے روانہ ہو جائیے —— آج جدائی کے غم سے آپ کا دل جتنا بھی روئے اور آنکھیں جس قدر بھی اس وقت آنسو بہائیں اسی قدر آپ کے حق میں بہتر اور مبارک ہے ——

مدینہ طیبہ کو روانگی

آپ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ جائیں گے، مبارک ہو آپ کا یہ جانا۔ مدینہ طیبہ کی حاضری کے سلسلہ میں بھی اگر چند باتوں کا آپ خیال رکھیں تو انشاء اللہ وہاں کی پوری پوری برکتیں اور رحمتیں لے کر آئیں گے

راستہ ہی سے درود شریف کی کثرت کیجئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دل میں تازہ کر کرکے اور اگر نعتیہ اشعار یاد ہوں تو ان کو پڑھ پڑھ کے حضورؐ کی محبت کی آگ کو بھڑکاتے چلئے!

حاجیوں کو مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ لے جانے والی موٹریں اور لاریاں عام طور سے اب دوسرے دن مدینہ طیبہ پہنچ جاتی ہیں راستہ کی سب سے آخری منزل جہاں یہ موٹریں مدینہ شریف پہنچنے سے پہلے ٹھہرتی ہیں بیر علی ہے، یہاں سے مدینہ طیبہ صرف ۵-۶ میل رہ جاتا ہے۔ آپ کی موٹر یا لاری جب یہاں ٹھیرے اور آپ کو موقع ملے تو یہیں نہا دھو کے کپڑے بدل لیجیئے، آپ کے ساتھ جو اچھے صاف اُجلے کپڑے ہوں وہ پہن لیجیئے خوشبو لگا لیجیئے اور یہ خیال کرکے کہ انشاء اللہ اب جلدی ہی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ شریف پہنچوں گا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کروں گا۔ خوب ذوق و شوق سے حضور پر صلوٰۃ و سلام پڑھئے ——— آپ کی موٹر بیر علی سے روانہ ہو کر تھوڑی ہی دور چلے گی کہ مدینہ شریف کی آبادی آپ کو نظر آنے لگے گی اور اس کے بالکل بیچ میں آپ کو سبز گنبد دکھائی دے گا، جب آپ کی نظر اس پر پڑے تو اور زیادہ ذوق شوق کے ساتھ درود و سلام پڑھئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اے اللہ جس اپنے کرم سے تو نے مجھے یہاں پہنچایا ہے اسی کرم سے مجھے یہاں کے آداب اور حقوق ادا کرنے کی توفیق دے اور یہاں کی برکتیں اور رحمتیں مجھے نصیب فرما ——— چند ہی منٹ میں آپ کی موٹر مدینہ طیبہ کے دروازہ باب العنبریہ میں داخل ہو جائے گی اور آپ رسول پاک کے اس پاک اور پیارے شہر میں جا اتریں گے جس کی حاضری کی تمنا ساری عمر سے آپ کے دل میں تھی اور ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے۔

• اب آپ کو چاہیئے کہ اپنے سامان کا کوئی بندوبست کرکے (جس کے بعد آپ کے دل میں سامان کی کوئی فکر نہ رہے) اور اگر وضو نہیں ہے تو وضو کرکے مسواک کرکے (اور بیر علی میں اگر نہانے اور کپڑے بدلنے کا موقع نہ ملا ہو تو پھر نہا دھو کے اور کپڑے بدل کے، خوشبو لگا کے) مسجد شریف جائیں۔

• دروازہ پر پہنچ کر بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ کہہ کے پہلے داہنا پاؤں اندر رکھیں پھر بایاں اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں۔ اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک۔

• مسجد شریف میں داخل ہو کے سب سے پہلے اس حصہ میں پہنچیں جس کو "روضۃ الجنۃ" اور جنت کی کیاری کہتے ہیں۔ پہلے وہاں دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاص اس نعمت

کے شکر یہ میں کہ اُس نے اپنے فضل وکرم سے یہاں کی حاضری کی توفیق دی سجدۂ شکر کریں اور سجدہ سے اُٹھ کر دعا کریں کہ اے اللہ جس طرح تو نے محض اپنے کرم سے یہاں کی حاضری نصیب فرمائی اسی طرح اپنی رضا اور آخرت میں جنت نصیب فرما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا شفیع بنا اور میرے بارہ میں آپ کی شفاعت قبول فرما۔

اس کے بعد حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف میں آئیں یعنی حضور اقدس کے چہرۂ انور کے سامنے جا کر کھڑے ہوں اور یہ سمجھ کر سلام عرض کریں کہ حضور میرا سلام بہ نفسِ نفیس سن رہے ہیں۔

مکہ معظمہ میں جس طرح معلّمین طواف وغیرہ میں عربی کی لمبی لمبی دعائیں عام حاجیوں سے یعنی عربی نہ جاننے والوں سے بھی پڑھواتے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں اسی طرح مزوّرین بھی عربی کے لمبے لمبے سلام پڑھواتے ہیں یہ نہایت غلط طریقہ ہے۔ عربی نہ جاننے والے عام حجاج کے لئے آسان اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ حضورِ نبوی میں پہنچ کر ایسا مختصر اور آسان سلام عرض کریں جس کو خود سمجھتے ہوں۔ یہاں آپ کے لئے بہت مختصر اور آسان ایک سلام لکھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہر پڑھا بے پڑھا شخص یہ سلام خود سمجھ کر عرض کر سکتا ہے۔

السَّلام علیكَ یا رسولُ الله	اے اللہ کے رسول آپ پر سلام
السلام علیكَ یا حبیبَ الله	اے اللہ کے حبیب آپ پر سلام
السلام علیك یا شفیعَ المذنبین	اے گناہگاروں کی شفاعت فرمانے والے آپ پر سلام
السلام علیك یا خاتمَ النبیین	اے خاتم النبیین آپ پر سلام
السلام علیك وعلیٰ آلك واصحابك اجمعین	سلام آپ پر اور آپ کے تمام آل اور اصحاب پر
السلام علیك ایها النبی ورحمة	سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اللہ کی رحمت
الله وبرکاته	اور اس کی برکتیں

اس کے بعد حضور سے اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے دعا اور شفاعت کی درخواست کیجئے اور جن لوگوں کے آپ پر خاص احسانات ہوں یا جنھوں نے آپ سے کہدیا ہو اور آپ نے اُن سے وعدہ کر لیا ہو ان کے لئے بھی دعا اور شفاعت کی درخواست کیجئے۔

اس کے بعد قریباً ایک ہاتھ داہنی جانب ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارک کے سامنے آجائیے اور ان کی خدمت میں سلام عرض کیجئے اور کہئے السلام علیك یا خلیفة رسول الله پھر ایک ہاتھ اور داہنی جانب ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے آجائیے اور ان کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔ السلام علیك یا امیر المومنین۔

اس کے بعد پھر جنت کی کیاری میں آکر یا مسجد شریف میں جہاں بھی موقع مل جائے دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔

پھر جب تک اور جتنے دن آپ کو مدینہ طیبہ میں رہنا نصیب ہو روزانہ اسی طرح مواجہہ شریف میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتے رہئے۔

مدینہ کی تین اور متبرک چیزیں

جنت البقیع یہ مدینہ طیبہ کا قدیمی قبرستان ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر ازواجِ مطہرات اور حضور کی لختِ جگر سیدہ فاطمہ زہرا اور دوسری صاحبزادیاں اور آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم اور دوسرے اہلِ بیت کرام اور بہت سے جلیل القدر صحابہ و تابعین اور بے شمار اولیاء اللہ اور صلحا و شہدا مدفون ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دن میں اور کبھی رات میں وہاں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں سونے والوں کو سلام و دعاء سے نوازتے تھے۔ مدینہ طیبہ کی حاضری کے زمانے میں آپ بھی وہاں حاضری دیں اور مسنون طریقہ پر سلام عرض کریں۔

السّلام علیکم یا اھل البقیع　　　بقیع کے سونے والو تم پر سلام

پھر اُن کے لئے مغفرت اور رحمت کی اور درجوں میں ترقی کی دعا کریں اور اُن کے ساتھ اپنے لئے بھی دعا کریں کہ اے اللہ یہاں تیرے جو اچھے اور مقبول بندے سو رہے ہیں تو ان کی جن باتوں سے راضی اور خوش ہوا مجھے بھی اُن کا کوئی ذرہ عطا فرما اور اُن کی محبت کی برکت سے میرے گناہ معاف فرما اور مجھ پر اپنی رحمت فرما اور جنت میں ان کا ساتھ نصیب فرما۔

جبل اُحد مدینہ طیبہ کی خاص برکت والی چیزوں میں سے ایک احد پہاڑ بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کو ہم سے محبت ہے اور ہم کو اس سے محبت ہے۔ جنگ احد میں جو صحابہ کرام شہید ہوئے وہ وہیں دفن ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تھے اور اُن شہدائے کرام کو سلام و دعا سے نوازتے تھے۔ آپ بھی کم از کم ایک آدھ دفعہ ضرور جائیں اور مسنون طریقہ پر سلام عرض کریں اور دعا کریں۔

مسجد قبا قبا مدینہ طیبہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر ایک بستی ہے اُس میں ایک مسجد ہے جس کا ذکر بڑی تعریف کے ساتھ قرآن شریف میں بھی کیا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ آپ کم از کم ایک آدھ دفعہ وہاں بھی ضرور جائیں اور اُس مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کریں۔

مدینہ طیبہ سے واپسی جس روز مدینہ طیبہ سے واپسی کا ارادہ ہو تو سامانِ سفر سے فارغ ہو کر اور سفر کے لئے بالکل تیار ہو کر آخری دفعہ آپ مسجد شریف آئیں پہلے دو رکعت نفل نماز "جنت کی کیاری" میں پڑھیں، سلام پھیرنے کے بعد پہلے اللہ کی اس نعمت پر کہ اُس نے حج و زیارت کی توفیق عطا فرمائی شکر اور حمد کریں اُس کے بعد بخیر و عافیت وطن پہنچنے کی اور آخری دم تک دین و ایمان پر قایم رہنے کی اور پھر یہاں کی حاضری کی توفیق ملنے کی خوب دل سے دعا کریں ـــــ دعا سے فارغ ہو کر درود و سلام پڑھتے ہوئے مواجہہ شریف میں حاضر ہوں اور پہلے لکھے ہوئے طریقہ کے مطابق سلام عرض کریں اور آخری دفعہ دُعا و شفاعت کی درخواست کریں اور دین پر قایم رہنے کے عہد کو حضور اقدسؐ کے سامنے دہرائیں اور دل میں یہ اُمید لئے ہوئے کہ انشاء اللہ قیامت میں حضورؐ کی وہ زیارت بھی نصیب ہو گی جس میں کوئی پردہ اور حجاب نہ ہو گا. درود شریف پڑھتے ہوئے رخصت ہو جائیں۔

اللھم صل علی سیدنا محمد النبی الامی وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

چند متفرق مشورے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے قیام کے زمانے میں جہاں تک ہو سکے با وضو رہیے یعنی جب وضو ٹوٹے تو جلدی نیا وضو کر لیجئے ـــــ مکہ معظمہ میں زیادہ وقت مسجد حرام میں اور مدینہ طیبہ میں زیادہ وقت مسجد نبوی میں گزاریے۔

اس کی پوری کوشش کیجیے کہ مکہ معظمہ کے قیام میں آپ ہر وقت کی نماز جماعت سے مسجد حرام میں پڑھیں اور مدینہ طیبہ کے زمانۂ قیام میں آپ کی ہر نماز جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں ہو۔

دونوں سرکاروں کے زمانہ قیام میں جہاں تک ہو سکے ہر وقت اپنی زبان ذکر اور دعا و استغفار سے تر رکھیں. مکہ معظمہ میں ذکروں میں سے لا الٰہ الا اللہ کا شغل زیادہ رکھیے اور مدینہ طیبہ میں درود شریف میں زیادہ مشغول رہیے۔

دونوں جگہ قرآن شریف کا کم از کم ایک ختم تو کر ہی لیجیے اور کوشش زیادہ کی کیجیے۔

اس پورے سفر میں اور خاص کر کے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں دوسروں کی برائیاں دیکھنے اور عیب نکالنے سے اپنی زبان، اپنے دل اور اپنی نگاہ کو بچانے کی بہت کوشش کیجیے ـــــ اگر غلطی سے کسی کے ساتھ کوئی بُرائی یا زیادتی ہو جائے تو وہیں اُس سے معاف کرا لیجیے اور اُس کو راضی کر لینے کی کوشش کیجیے ـــــ دنیا کے معمولی معمولی حاکموں کے درباروں میں ہماری یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ کسی سے وہاں ہم لڑتے ہیں نہ جھگڑتے ہیں، نہ زور سے بول سکتے ہیں، بس اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ و رسولؐ کے درباروں میں ہمیں کیسا نیچا بن کر رہنا چاہیے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ ان مقدس درباروں میں جب تک حاضری نصیب رہے روزانہ بلکہ خدا توفیق دے تو ایک ایک دن میں سیکڑوں بار اپنے گناہوں سے توبہ کیجئے اور بالکل سچے دل سے توبہ کیجئے اور پکا ارادہ اور عہد کیجئے کہ آئندہ عمر بھر ان گناہوں کے پاس نہ جاؤں گا اور واپسی کے بعد مرتے دم تک اُس پر قائم رہئیے اور ہمیشہ یاد رکھئے کہ آپ اللہ کے خاص دربار میں اور رسول اللہ کی سرکار میں کیا عہد کر کے آئے ہیں اور اگر یہ عہد ٹوٹا تو آپ قیامت میں کیا منھ دکھا سکیں گے۔

مسلمان یوں تو ہر نماز میں اللہ تعالیٰ سے بندگی کا اور پوری وفاداری کا عہد کرتا ہے لیکن حج میں خاص اللہ کے دربار میں جا کر اس عہد کو تازہ اور پکا کیا جاتا ہے اس لئے حج کرنے والے کی زندگی حج کے بعد بالکل سچے اور پکے مسلمان کی سی بندگی والی اور فرمانبرداری والی زندگی ہو جانی چاہئے۔ اس کے اعمال اللہ والوں کے سے اعمال، اس کے اخلاق اللہ والوں کے سے اخلاق ہوں، ہر معاملہ میں اپنی مصلحت یا نفس کی خواہش کو نہیں بلکہ صرف اللہ کے حکم کو دیکھے اور اس کی پیروی کرے۔ الغرض وہ صحیح معنی میں "اللہ کا بندہ" بن جائے ــــــ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ چیز نصیب فرمائے۔

اب اس خط کو اس درخواست پر ختم کرتا ہوں کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کی دعاؤں میں اگر کبھی کبھی اس ناچیز کو بھی آپ اپنے ساتھ شامل کر لیا کریں اور روضۂ اقدس کی کسی حاضری میں اس سیاہکار کا سلام بھی سرکار نبوی میں عرض کر دیا کریں تو اس عاجز پر آپ کا سب سے بڑا احسان ہوگا

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

والسلام
محمد منظور نعمانی

یاد رکھنے کی چند باتیں

(جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی)

(یہ مضمون صرف چار صفحہ کا ہے لیکن اس عاجز کی نظر میں یہ اتنا قیمتی اور حاجیوں کے لئے اتنا مفید ہے کہ اس حج نمبر میں اگر صرف یہی ایک مضمون حج کے متعلق ہوتا تو ناچیز کو افسوس نہ ہوتا)۔ مدیر

حج کے سلسلہ میں بعض امور کا استحضار راقم سطور کے تجربہ میں بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ سطور ذیل میں ان امور کو درج کیا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ خدا کے کسی دوسرے بندہ کو بھی اس سے فائدہ پہونچے اور اس کی زبان سے کسی وقت دعائے خیر نکل جائے!

(۱) مسافرانِ حرم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا مہمان قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ

"حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر وہ دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، وہ بخشش چاہتے ہیں تو حق تعالیٰ بخشتے ہیں" (مشکوٰۃ شریف کتاب المناسک)

جس طرح میزبان کے ذمہ مہمان کے حقوق ہیں اسی طرح مہمان کے ذمہ میزبان کے بھی حقوق ہیں اور ان کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ اگر حجاج اس نکتہ کو یاد رکھیں اور مہمانی کے اس عظیم شرف کا خیال رکھیں تو انشاء اللہ حج کے پورے زمانے میں عجیب لذت پائیں گے! حج کے مسائل، اس کے شرائط، ارکان و آداب، درحقیقت یہی وہ حقوق ہیں، جو حق تعالیٰ کے مہمان ہونے کی حیثیت سے حجاج کے ذمے عائد ہوتے ہیں، محض خشک مسئلوں کی حیثیت سے نہیں، بلکہ حق تعالیٰ کے مہمان ہونے کے خیال سے ان پر عمل کرنا اور ان کا لحاظ رکھنا بے حد نفع بخش ہوتا ہے۔

(۲) حج کے تمام اعمال کا مقصد اور حاصل خدا کی یاد ہے، حج کے اعمال بجالانے کے وقت اگر اس اصولی بات کو یاد رکھا جائے تو انشاء اللہ یہ ظاہری اعمال باطن میں بھی کچھ ذوق پیدا کریں گے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"کعبہ کا طواف، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، اور رمی جمار (کنکریوں کا پھینکنا) صرف اللہ کی یاد کے لئے ہے"۔ (ابو داؤد و ترمذی)

فرض کر لیجئے کہ ایک شخص ایسا ہے، جو حج کے ان اعمال کو پورا کرتا ہے مگر اس کا دل خدا کی یاد سے خالی ہو تو وہ اُس شخص کا مقابلہ برکات و ثمرات کے اعتبار سے کیسے کر سکتا ہے جس کی ہر حرکت یاد الٰہی کی برکت اپنے اندر رکھتی ہے۔

(۳) اسی سے ملتی جلتی ہوئی یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اعمال حج میں قدم قدم پر توحید کا اعلان ہے۔ جب حاجی احرام باندھتا ہے تو تلبیہ پڑھتا ہے، تلبیہ میں کھلا ہوا اعلان حق تعالیٰ کی توحید اور ردِ شرک کا ہے، ملاحظہ ہو!

لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لا شریک	میں حاضر ہوں خداوندا تیرے حضور میں، میں حاضر ہوں
لک لبیک ان الحمد والنعمۃ	میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں،
لک والملک	ساری تعریفیں اور سب نعمتیں تیری ہی ہیں اور ملک و
لا شریک لک	بادشاہت تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں

جب خانہ کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو حاجی کہتا ہے کہ "اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" (خدا سب سے بڑا ہے خدا کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، خدا سب سے بڑا ہے)

طواف شروع کیجئے تو نیت کے وقت پڑھئے۔ بسم اللہ اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وللہ الحمد (خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں، خدا سب سے بڑا ہے۔ خدا کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، تمام تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں)

مقام ابراہیم میں نماز پڑھئے تو بہتر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھئے۔ یہ دونوں سورتیں اصولی طور پر توحید کا اعلان اور شرک کی تردید کرتی ہیں۔

صفا و مروہ کی سعی کے لئے جائیے تو دونوں پہاڑیوں پر جا کر سب سے پہلے پڑھئے کہ

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ	خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک
لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کلِّ	نہیں، اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لئے حمد ہے،
شیئٍ قدیر	اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

منیٰ جائیے یا عرفات کثرت سے تلبیہ پڑھتے رہئے۔

عرفات جائیے تو وہاں کے لئے بھی بہترین دعا یہ بتلائی گئی ہے

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ یہ دعا میری اور مجھ سے پہلے انبیا کی ہے عرفات میں!

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت عرفات میں تلاوت فرمائی۔

شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم۔

خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، اور (گواہی دی) فرشتوں نے اور اہل علم نے، جو انصاف والے ہیں (کہ) کوئی بندگی کے لائق نہیں مگر وہی اللہ جو عزت والا ہے اور حکمت والا ہے۔

رمی جمرات کے وقت بھی کہیئے کہ

بسم اللہ اللہ اکبر رغما للشیطان ورضا للرحمٰن۔

میں اللہ کا نام لیکر (کنکری) مارتا ہوں، اللہ سب سے بڑا ہے (میں کنکری مارتا ہوں) شیطان کو رسوا کرنے کیلئے اور رحمٰن کو خوش کرنے کے لئے)

ان سب باتوں پر غور کیجئے اور یہ سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ ہر موقع پر کس طرح توحید کا اقرار اور اعلان ہے، ضرورت ہے کہ حاجی اس توحید میں اپنے کو غرق کردے، توحید محض قال نہیں بلکہ حال بن جائے، توحید کا مطلب محض خدا کو "ایک کہنا" نہیں بلکہ "ایک جاننا" ہو جائے، معبودیت، محبوبیت اور مطلوبیت صرف حق تعالیٰ کے لئے ہو، اور ان کی اور صرف انہی کی "اولیت و آخریت، ظاہریت و باطنیت" محسوس و منکشف ہو جائے

(۴) خوش نصیب حاجی جب بھی تلبیہ کہے وہ اس بات کو یاد کرے کہ اس تلبیہ میں اس کی موافقت زمین کی ہر چیز کر رہی ہے، ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

"جب مسلمان لبیک کہتا ہے تو اس کے داہنے اور بائیں ختم زمین تک جتنی چیزیں ہیں (مثلاً پتھر، درخت ڈھیلے سب لبیک کہتی ہیں" (ترمذی و ابن ماجہ)

اس ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا استحضار تلبیہ کہنے والے کو عجیب روحانی لذت بخشتا ہے۔

(۵) جس طواف کے بعد سعی کی جائے اس میں رمل کیا جاتا ہے یعنی پہلے تین چکروں میں مونڈھے ہلاکے اور اکڑ کے ذرا تیز قدم چلتے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار نے مسلمانوں پر طعن کیا تھا کہ مدینہ کے بخار نے ان کو کمزور کر دیا ہے اس لئے حکم ہوا کہ اس طرح اکڑ کے چلو تاکہ کفار کے مقابلہ میں اظہار قوت و عظمت ہو، ظاہر ہے کہ اب وہاں اعدائے دین تو ہیں نہیں تاہم رمل کا طریقہ باقی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مشورہ ہے۔

"ڈگر ایں اظہار جلادت و غلبہ را نسبت باعدائے باطن کہ شیطان و جنود اوست ملاحظہ و اعتبار نمایند در ذوق و حضور اقرب و ادخل بود"

اگر یہ اظہار قوت اعدائے باطن یعنی شیطان اور اس کے کارندوں کے مقابلہ میں تصور کی جائے تو ذوق و حضور کا باعث ہے۔

(شرح سفر السعادۃ ص۲۴۶)

(۶) خوش نصیب زائر حرم، جب مدینہ منورہ (صلی اللہ علیٰ صاحبہا) میں حاضری کی سعادت پائے اور بارگاہ نبوی سے قریب ہونے کی عزت حاصل کرے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام حقوق کو یاد رکھے جو امت کے ذمہ واجب ہیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ کے ایک کرامت نامہ کی چند سطریں نقل کرنا مناسب ہے۔

"حاضری روضۂ مبارکہ کے وقت میں آنحضرت علیہ السلام کی روح پر فتوح کو وہاں جلوہ افروز، سننے والی جاننے والی غایت جمال و جلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جائے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے .... فضول باتوں اور لوگوں کی مجالس میں بلا ضرورت حاضری سے گریز کیا جائے، اوقات کو درود شریف، ذکر، مراقبہ، قراءۃ قرآن، نوافل سے معمور رکھا جائے"

(۷) اسی سلسلہ میں یہ بات بھی عرض کرنا مناسب ہے کہ بعض حجاج کو دیکھا گیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کا تقابل شروع کر دیتے ہیں اور مکہ معظمہ کے متعلق ایسے کلمات زبان سے نکال ڈالتے ہیں جن کو سن کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ راقم سطور کو مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں بعض اوقات اس معاملہ میں بڑے صبر سے کام لینا پڑا۔ خوب یاد رکھئے کہ مدینہ منورہ کی تمام عظمتیں اور محبوبیتیں مسلم ہیں مگر اس کے یہ معنی کب ہیں کہ مکہ معظمہ کو کہا جائے کہ "بالکل خالی" ہے۔ (استغفر اللہ استغفر اللہ اعوذ باللہ من شر الشیطان و شرکم)

مدینہ طیبہ (صلی اللہ علیٰ صاحبہا) کی عظمت و محبت مکہ والے ہی کی وجہ سے ہے، مکہ معظمہ کو قرآن مجید نے "بلد امین" کہا ہے، خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے محبت کا اظہار فرمایا ہے۔ کعبہ یہیں ہے جس کا خود حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی طواف کرتے تھے، خدا کے شعائر، صفا، مروہ یہیں ہیں، زمزم یہیں ہے، منیٰ و عرفات، اور مزدلفہ یہیں سے قریب تر ہیں بلکہ یہیں ہیں پھر مکہ کو خالی کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں جو علمی بحث کتابوں میں درج ہے اس سے قطع نظر ما وشما کو اس معاملہ میں اپنی زبان کو بالکل محفوظ رکھنا چاہئے کہ مبادا کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔

راقم سطور نے مکہ معظمہ میں بعض دوستوں سے عرض کیا تھا کہ اپنا ذوق تو یہ کہتا ہے کہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ اور مکہ میں بھی صفا مروہ، منیٰ و عرفات اور مزدلفہ کی تجلیات کی مختلف جہتیں ہیں۔ حاجی ان میں سے جس مقام پر جائے وہیں کی کیفیات اس پر غالب ہونا چاہئیں، اس طرح سے ہر مقام کا ادب و احترام

از
حضرتِ عروجؔ (قادری)

شفاعت کا تاجِ مکلّل ہے سر پر
سلام آپ پر شافعِ روزِ محشر

سلام آپ پر اے نبیِ مکرّم
سلام آپ پر اے رسولِ مطہر

سلام آپ پر چارہ سازِ غریباں
فقیروں کے مونس، غریبوں کے یاور

جمالِ محمدؐ سے پھیلا اُجالا
سلام آپ پر اے سراپا منوّر

مدینے کی گلیاں تھیں خوشبو سے مہکی
سلام آپ پر اے معنبر، معطّر

امیروں، غریبوں، فقیروں کے آقاؐ
سلام آپ پر دونوں عالم کے سرور

حبیبِ خدا، وجہِ تخلیقِ عالم
سلام آپ پر صاحبِ حوضِ کوثر

سلام آپ پر تا قیامِ قیامت
محمدؐ، رسولِ خدا، ماہِ انور

مزارِ مقدس پہ ہر آن و ہر دم
صلوٰۃِ کثیر و سلامِ مکرّر

سلام ایک بھی گر ہو مقبول شاہا
چمک جائے تقدیر کا میری اختر

میں ہر گز نہیں منھ دکھانے کے لائق
کرم آپ کا کھینچ لایا یہاں پر

وہ رحمت جو ہے عام دنیا کی خاطر
پکڑ کر وہی مجھ کو لائی یہاں پر

اِدھر دیکھئے رحمتِ دین و دُنیا
میں نادم ہوں اپنے گناہوں کے اوپر

ڈھلکتے ہیں آنسو مری چشمِ تر سے
نظر اک تلطف کی اے بھر گستر

بہت دُور سے چل کے آیا ہوں آقاؐ
نگاہِ کرم کیجئے میرے اوپر

طفیلِ ابو بکرؓ و فاروقؓ مجھ کو
دکھا دیجئے اپنا روئے منوّر

یہ آنکھوں سے کیسی جھڑی لگ رہی ہے
یہ کس کی محبت ہے سینے کے اندر

تفتّح أیا جرح قلبی تفتّح!
تنثّر أیا دُرّ دمعی تنثّر!

راہِ کعبہ کے احساسات و واردات

(از، مولانا سید مناظر احسن گیلانی)

اب سے تقریباً ۲۲ برس پہلے مولانا گیلانی مدظلہ نے حرمین شریفین کا سفر فرمایا تھا، اس سفر کی روئداد کا ایک حصہ جسمیں آغاز سفر سے دربار نبوت کی حاضری تک کے احوال و کوائف کا تذکرہ تھا، سال گذشتہ (۱۳۶۹ھ) کے حج نمبر میں شایع ہوچکا ہے۔ پیش نظر مضمون اسی سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جس میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لیے روانگی کا تذکرہ ہے اور بجائے احوال و کوائف کے زیادہ تر دوران سفر کے احساسات و واردات پر مشتمل ہے۔ علمی نکات اور ایمانی احساسات سے یہ لبریز مضمون، امید ہے کہ قارئین الفرقان کے لیے بڑی دلچسپی کا باعث ہوگا ——— (مدیر)

گرمی کا موسم تھا، ذوالحلیفہ جسے اس زمانہ میں بیر علی کہتے ہیں، اسی کی مسجد کے عقب میں صاف و شفاف شیریں پانی سے چھلکتی ہوئی باوری میں غوطے لگا لگا کر اور جو تیرنا جانتے تھے انھوں نے تیر کر احرام سے پہلے غسل مسنون کی مسرت حاصل کی، احرام باندھ کر اور دوگانہ ادا کرکے یکایک ہم میں ہر ایک یہ محسوس کرنے لگا کہ احرام سے پہلے وہ جو کچھ تھا، احرام کے کپڑوں کے پہن لینے کے بعد اب وہ وہ باقی نہیں رہا ہے، سینوں سے زبانوں پر اور زبانوں سے ذوالحلیفہ کی قدوسی فضاؤں میں

لبیک، اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک

ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک

کی صدا گونجنے لگی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سینے پھٹ جائیں گے، روحیں عنصری قفس کو توڑ کر نکل پڑیں گی، محسوس ہوتا تھا کہ گویا ہر احرام باندھنے والے کے ہر بن موسے وہی نغمہ داؤدی ابل رہا ہے، جو آج بھی حضرت داؤد پیغمبر علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کتاب زبور میں بایں الفاظ پایا جاتا ہے، یہ "وادی بکہ" والا مشہور مزبور (۸۴) ہے۔

(۱) اے لشکروں کے خداوند، تیرا مسکن کیا ہی دلکش ہے، میری جاں، خداوند کی بارگاہوں کے لیے بے چین اور آرزو مند ہے۔ میری روح اس کے لیے گداز اور پگھلتی چلی جاتی ہے۔

(۲) میرا من، میرا تن، زندہ خدا کے لیے للکارتا ہے۔

(۳) اے لشکروں کے خداوند، اے میرے بادشاہ! اے میرے خدا! تیری قربان گاہوں[1] کے پاس گوریا نے اپنا آشیانہ اور ابابیل نے اپنا گھونسلا پایا ہے جہاں وہ اپنے بچوں کو رکھے، مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں، وہ سدا تیری تعریف کریں گے۔

(۴) مبارک ہے وہ آدمی جس میں قوت تجھ سے ہو، ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔

(۵) وہ وادی بکہ[2] سے گذر کر اسے ایک کنواں بناتے، پہلی برسات اسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی۔

(۶) وہ قافلہ بر قافلہ ترقی کرتے جاتے ہیں۔

اسی قسم کے نقرں کے بعد آخر میں ہے۔

ایک دن جو تیری بارگاہوں میں کٹے ایک ہزار سے بہتر[3] ہے، میرے لیے خدا کے گھر کی (یعنی بیت اللہ) کی دربانی، شرارت کے خیموں میں رہنے سے بہتر ہے، کیونکہ خداوند ایک آفتاب ہے، اور ڈھال ہے، خداوند فضل و جلال بخشتا ہے، ان لوگوں سے جو سیدھی چال چلتے ہیں، کوئی اچھی چیز دریغ نہ کرے گا، اے لشکروں کے خداوند مبارک ہے، وہ انسان جسے تیرا بھروسہ ہے۔ (زبور ۸۴)

اور داؤد ہی کیا، صحیح حدیثوں میں جب آیا ہے کہ میدان عرفات میں بعض دعاؤں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے جاتے تھے کہ

هذه دعائي ودعاء الانبياء من قبلي

میری اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی (جو اس مقام پر آئے) یہی دعا تھی۔

---

[1] منی کی وادی منحر قربان گاہ ہو، جہاں بے شمار مکانات بنے ہوئے ہیں، جو صرف حج کے موسم میں چند دنوں کے لیے آباد ہوتے ہیں سال بھر خالی رہنے کی وجہ سے گوریوں، اور ابابیلوں کو رہنے کا موقع ملتا ہو اور حدود حرم میں ہونے کی وجہ سے کوئی ان کو ستا بھی نہیں سکتا۔ ۱۲

[2] ارباب تحقیق کے لیے زبور کا یہ لفظ بڑا دلچسپ ہو، یہ جاننے کے بعد کہ بکہ مکہ ہی کا دوسرا مشہور نام ہے ارباب تحریف نے اس کو کبھی "بکاو" کبھی "بقاد" اور خدا جانے کن کن لفظوں سے بدلا ہو مار گولیتھ جیسے دشمن اسلام نے مانا ہو کہ "بکہ" ہی اس لفظ کا صحیح تلفظ ہے دیکھو سیرۃ شبلی مرحوم۔ ۱۲

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہو کہ صلوۃ ھھنا ای المسجد الحرام خیر من الف صلوۃ ثمہ ای المسجد الاقصی (مسجد حرام کی نماز، مسجد اقصی کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے) دیکھو جمع الفوائد بحوالہ طبرانی فی الکبیر، داؤد علیہ السلام نے اپنی تعمیر فرمودہ مسجد کے مقابلہ میں بیت اللہ کی اس فضیلت کا اعتراف فرمایا تھا اسی کی تصدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ ۱۲

اور یہ روایت تو بخاری و مسلم میں پائی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی سے گزر رہے تھے جس کا نام وادی ازرق ہے اور مکہ مدینہ کے راستہ میں ملتی ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے، لوگوں نے کہا کہ وادی ازرق ہے، یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ مجھے کچھ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ

"اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالے لبیک اللّٰھم لبیک (حاضر ہوا اے اللہ حاضر ہوا) کے نالہائے زار کے ساتھ خدا کو پکارتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام اس گھاٹی سے اتر رہے ہیں۔" [1]

راوی کا بیان ہے کہ وادی ازرق (نیلی ندی) سے پار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ثنیہ (موڑ) پر پہونچے، دریافت فرمانے پر اطلاع دی گئی کہ اس ثنیہ (موڑ) کا نام ہرشا یا لفت ہے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"گویا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ خمیدہ گھونگھر والے بالوں والی سرخ رنگ کی اونٹنی پر یونس بن متی (علیہ السلام) اسی گھاٹی سے لبیک کہتے ہوئے گذر رہے ہیں، ان پر ایک اونی جبہ پڑا ہوا ہے، اور اونٹنی کی نکیل رستی کی ہے۔"

بخاری کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی اسی رنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دیکھو بخاری کتاب اللباس)

اب یہ تو اللہ اور اللہ کے رسول ہی جانتے ہیں کہ اس "مشاہدہ" یا "رؤیت" کی نوعیت کیا تھی "کانی انظر" (گویا میں دیکھ رہا ہوں) کے الفاظ جو حدیث میں پائے جاتے ہیں، اسی سے بعضوں نے یہ سمجھنا چاہا کہ گزرے ہوئے واقعہ کی یاد حافظے میں کسی وجہ سے جو تازہ ہو جاتی ہے اور عہد ماضی کا واقعہ سامنے آ جاتا ہے، کچھ یہی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آئی تھی، مگر علماء کا بڑا طبقہ قائل ہے کہ:-

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں

---

[1] حدیث کے اصل الفاظ "له جؤار الی اللہ بالتلبیة" ہیں چونکہ ارباب لغت نے جوار کی تشریح رفع الصوت بالاستغاثة کے الفاظ سے کی ہے اس لیے میں نے اس کا حاصل معنی "نالہائے زار" کیا ہے — ۱۲

پھر اس میں کیا حرج ہے کہ موسم حج میں حضرات انبیاء بھی اسی روحانی زندگی کے ساتھ شریک ہوتے ہوں، خود ان ہی موسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقعہ پر اس حال میں بھی پایا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں" [1] (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۳)

کچھ بھی ہو، مطلب یہ ہو، یا وہ ہو، میری غرض تو صرف اتنی ہے کہ کرۂ زمین کا پہلا گھر قرآن کی رو سے جو ٹھہرایا گیا ہے، ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے اس گھر کی حاضری کا شرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی حاصل کرتے رہے ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ الناس (سارے انسانوں) کے امام بنانے کا وعدہ جس سے کیا گیا، وہی ابراہیم علیہ السلام جب کعبہ کے معمار بنے، اور ان کی یہی امامت کبریٰ عملی شکل میں جب "العالمین کے لیے رحمت" بن کر جلوہ پرواز ہوئی تو دیکھا گیا کہ

یقول لبیک لبیک لا شریک لک	وہ بھی کہہ رہے ہیں، حاضر ہوا، حاضر ہوا،
لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک	تیرا کوئی ساجھی نہیں، حاضر ہوا، ساری
لک لا شریک لک (صحاح)	ستائش تیرے ہی لیے ہے، ساری نعمتیں تجھی
	سے ہیں، راج تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

پھر دوسرے پیغمبروں اور رسولوں کی حاضری پر تعجب ہی کیوں کیا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ نادیدہ مثالی ہستیوں کے معائنہ کا احساس اگر ہم میں بھی زندہ ہوتا، تو شاید ہم بھی وادی ازرق اور ہرشا کے موڑ پر ان بزرگوں کو پاسکتے تھے جو حج کے موسم میں اسی علاقے کے اندر پھیل جاتے ہیں، دیکھنے والوں نے تو اپنی کتابوں میں یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی طواف کے وقت ان کی ملاقات ہوئی [2]

---

[1] معراج ہی کی حدیثوں میں جیسا کہ عموماً لوگ جانتے ہیں چھٹے آسمان پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقاتیں ہوئیں، بات چیت ہوئی خصوصاً نمازوں کے اوقات میں تخفیف کے مطالبے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار آمادہ کر کے واپس فرماتے رہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اللہ کے مقرب بندوں سے فائدہ پہونچتا ہے لیکن ان کی امداد سے استفادے کی یہ مشرکانہ شکل ہے کہ خود ان بزرگوں کو پوجا جائے، جیسے ملائکہ سے بھی امداد ان کو نہیں ملتی جو ملائکہ کو پوجتے ہیں بلکہ توحید پر جتنی زیادہ استقامت بندوں کی طرف سے ظاہر ہوگی فرشتوں کی امداد ان کو اسی قدر ملے گی، اپنے پیدا کرنے والے کی طرف سے فرشتے اس پر مامور ہیں۔ بدر میں ملائکہ کی امداد اسی طریقے سے حاصل ہوئی تھی — ۱۲

[2] شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ کے مختلف مقامات پر طواف کعبہ کے وقت اس قسم کے مکاشفات کا تذکرہ کیا ہے جن میں حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات کا قصہ بھی ہے — ۱۲

لیکن یہ سارا قصہ تو علم و احساس کے ذرائع کی کمی و بیشی کے ساتھ وابستہ ہے، خیال آتا ہے مدت ہوئی، ویول کی نامی کسی انگریز کا سفرنامہ میں نے پڑھا تھا، غالباً ۱۹۱۱ یا ۱۹۱۰ میں بھیس بدل کر حجاز کا سفر اس انگریز نے کیا تھا، اور حجاج کے قافلہ میں شریک ہو کر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پہونچا تھا، اس کے پاس بینائی، شنوائی، ذوق، لمس الغرض عام انسانی کہئے یا حیوانی حاسے موجود تھے، لیکن "اشہد ان محمداً رسول اللہ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں) کا اقرار و اعتراف اچانک جس جدید حاسہ کا اضافہ آدمی میں کر دیتا ہے، بدبخت انگریز سیاح اس ایمانی حاسہ سے محروم تھا، ان ہی حجاج کے ساتھ جو لبیک کہتے ہوئے "ان الملک لک" (راج تیرا ہی ہے) کی یافت اور مشاہدے سے سرفراز ہو رہے تھے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم کا ذریعہ بنا لینے کے بعد ان کو بھی دکھایا جا رہا تھا، اس کے سوا اس جدید حاسہ کے رکھنے والوں کو یہ واقعہ ہے کہ اور کچھ سوجھتا بھی نہیں، لیکن نابینا اندھا ویول جانتے ہیں، ان ہی دیکھنے والوں کی جھرمٹ میں شریک ہو کر جیسا کہ اس نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے، کیا سوچ رہا تھا، اس نے لکھا ہے کہ

> "میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ ان زائرین کے دل میں (جو ہندوستان سے اپنے خالق اور مالک کے آستانے پر حاضر ہوئے تھے ان ہی کے دل میں) کس قسم کے خیالات آتے ہوں گے، جن کے ملک پر غیر قوم حکمراں ہے، جہاں اسلام کا وجود کم و بیش حکومت کے رحم و کرم پر ہے، اور حکام وقت ان کے عقائد کو تمسخر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں"
>
> (صفحہ ۶ ترجمہ اردو سفرنامہ ویول)

اس کورنصیب، کور دیدہ، ویول غریب کو جب اسی کا پتہ نہ چل سکا کہ ۱۹۱۱ء میں جس ملک کے باشندوں پر وہ ہنس رہا ہے ۱۹۴۷ء کی اگست میں وہی ملک اور اسی ملک کے باشندے اب پر اور اس کی قوم پر ہنسنے والے ہیں اور ان ہی کا دین اور دھرم اس ملک میں دوسروں کے رحم و کرم پر رہ جائے گا، جو دوسروں کے عقائد کو تمسخر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اللہ اللہ مستقبل کے گنے چنے چند سالوں کا پردہ جس واقعہ پر پڑا ہوا تھا ویول کی نگاہ جب ان پردوں کو بھی چاک نہ کر سکی، اور جو کچھ ہونے والا تھا اسے نہ دیکھ سکی، تو "لہ الملک" (راج اسی کا ہے) اس حقیقت کی یافت میں وہ کیسے کامیاب ہو سکتا تھا وہ ان کو مالک سمجھتا تھا، زمین کا مالک سمجھتا تھا، بر کا مالک سمجھتا تھا، بحر کا مالک سمجھتا تھا جو غیروں ہی کی نہیں خود اپنی قوتوں کے بھی مالک نہ تھے، دوسروں کی بخشی ہوئی قوتوں کو انھوں نے باور کر لیا تھا کہ واقعی یہ ان ہی کی قوتیں ہیں، بغیر کسی معاوضہ کے بھیک میں ان کو ملا تھا جو کچھ ملا تھا، پھر دینے والے نے اپنا دیا ہوا واپس لے لیا، تو کیا یہ کوئی نیا واقعہ تھا، جو

بنی آدم کے گھرانوں میں پیش آیا تھا۔

گذشتہ رسالات اور نبوتوں کی نمائندہ عالمگیر، آخری نبوت کبریٰ کا شاہد اور گواہ بن کر دیول، سوختہ اختر دیول بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم کا ذریعہ اگر بنا لیتا، تو یقین کیجئے کہ محمد کی رسالت کے گواہوں کو جو کچھ دکھایا جاتا ہے جو کچھ سنایا جاتا ہے سب ہی کا دیکھنے والا اور سب ہی کا سننے والا وہ بھی بن جاتا، ازل بھی اس کے سامنے آجاتا اور ابد کی حقیقتیں بھی اس پر واشگاف ہو جاتیں، مشکوک باتیں یقینی، اور مشتبہ حقائق قطعی اس کے لیے بھی بن جاتے جیسے آج غیب کے یہ سارے اسرار ان لوگوں کے لیے اسرار باقی نہیں رہے ہیں جو محمد رسول اللہ کی معصوم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور ان ہی کے معصوم کانوں سے سن رہے ہیں۔

خیر میں کیا کہنے لگا، عرض یہ کر رہا تھا کہ ذوالحلیفہ کی مسجد سے رخصت ہو کر ہم لوگ اپنی لاری میں احرام کے لباس کے ساتھ بیٹھ گئے، خوشی سے سینے معمور تھے، اس توفیق کا ہر ایک شکر گزار تھا کہ اسی مقام سے احرام وتلبیہ کا شرف ہمیں حاصل ہوا، جہاں سے تیرہ سو سال پہلے حجۃ الوداع کے احرام وتلبیہ کا تاریخی آغاز اس وقت ہوا تھا جب بخاری کی روایت کے مطابق دس ہزار قدسیوں کے ساتھ ابراہیمی مناسک کی تجدید اور بیت اللہ کی تطہیر کا علم بردار مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا تھا اور مستقبل کے اسی حیرت انگیز نظارہ سے متاثر ہو کر موسیٰ علیہ السلام نے صدیوں پہلے کہا تھا،

فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔

دس ہزار[1] قدسیوں کے ساتھ آیا" (توراۃ استثنا ۳۳-۲) بلبل کے لیے گل کے ہم قافیہ ہونے کا یہ امتیاز ہی ایسا امتیاز تھا جس کے تصور ہی سے مسرت کی لہریں دلوں میں موج مارنے لگتی تھیں،

ہم بڑھے چلے جا رہے تھے، ان احساسات کے ساتھ بڑھے چلے جا رہے تھے جن سے نبوت کبریٰ کی شہادت قدرتاً آدمی کو معمور کر دیتی ہے، ہم کچھ نہیں جانتے تھے اور نہ جاننا چاہتے تھے کہ باہر میں کیا ہے اور باہر اگر ڈھونڈھتے بھی، تو بن کھیتی والے بیابان میں ہمیں ملتا ہی کیا، آسمان کے نیلگوں کناروں کے آغوش میں سبزہ و گیاہ سے خالی پہاڑوں اور چٹیل میدانوں کے سوا باہر میں اور کیا تھا،

لیکن انسانی نفسیات باہر کی تابع ہوتی ہیں، یا اندر کی؟ جس کے ہاتھ میں رسّی ہو، اگر غلطی سے اسی کو

---

[1] عام اردو ترجموں میں بھی پہلے "دس ہزار" ہی کے الفاظ پائے جاتے تھے، لیکن حال میں جو ترجمے شایع ہو رہے ہیں، ان میں دس ہزار کو کاٹ کر "لاکھوں قدسیوں" کے الفاظ داخل کر دیے گئے ہیں۔ ولا تزال تطلع علی خائنۃ منھم (تم ہمیشہ اہل کتاب کی خیانتوں سے واقف ہوتے رہوگے) قرآن کے اس دعوے کی یہی زندہ شہادتیں ہیں۔ ۱۲

وہ سانپ باور کرے لیکن آگاہی کے بعد جب وہی سمجھ جاتا ہے کہ جس چیز کو میں پکڑے ہوئے ہوں یہ سانپ نہیں بلکہ رسّی ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ دونوں حالات میں اس قسم کی مختلف کیفیتوں سے آدمی کو جو دوچار ہونا پڑتا ہے کیا اس وقت باہر میں بھی کوئی چیز بدلتی ہے؟ رسّی یقیناً ہر حال میں رسّی ہی رہتی ہے، اس وقت بھی وہ رسّی ہی تھی، جب سمجھنے والے نے اس کو سانپ سمجھ لیا تھا، اور جب یہ کھل گیا کہ سانپ نہیں بلکہ وہ رسّی ہے تو اس وقت بھی وہ وہی رسّی رہتی ہے، جو پہلے تھی، تبدیلی جو کچھ بھی ہوئی، وہ باہر میں نہیں اندر میں ہوئی تڑپنے والا تڑپ رہا تھا، کانپ رہا تھا، چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا، یہ سارے حالات سانپ باور کرنے کے زمانے میں طاری ہوئے تھے، اور ہنسنے لگا، مسکرانے لگا، جب سمجھ گیا کہ لاحول ولا قوۃ جسے میں سانپ سمجھے ہوئے تھا وہ تو رسّی تھی تو یقیناً یہ دونوں متضاد کیفیات اور متخالف واردات کسی بیرونی انقلاب کے نہیں بلکہ صرف اندرونی احساس کی تغیر پذیری ہی کے نتائج تھے۔

پھر لوگ "باہر" میں کیوں ڈھونڈتے ہیں، دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ ہمارے اندر کیا ہو۔ ابھی گذرا ان ہی راستوں سے وہ بھی گذرا تھا، جس کا دل جس کا دماغ ان احساسات سے مفلس تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے گواہوں کی جماعت میں داخل ہوئے بغیر پیدا نہیں ہوسکتے، آپنے دیکھا وہ حرم میں کھڑا تھا، اور ان ہی واہی تباہی باتوں کو سوچ رہا تھا، جنھیں سوچ سوچ کر اس وقت تو اس غریب کو ہنسی آرہی تھی لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ چند ہی برسوں کے بعد وہ خود ہنسا جائے گا، اور ان ہی لوگوں کا مسخرہ وہ خود اور اس کی قوم بن جائے گی، جن کے عقائد و مسلمات کو جیسا کہ اسی کا بیان ہے اس کی قوم کے حکام تمسخر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ چونکہ اسکے اندر کچھ نہ تھا، اس لیے باہر میں بھی اسے کچھ نظر نہ آرہا تھا۔

دور کیوں جائیے، آج دنیا ایک خاص حال سے گذر رہی ہے، خوف کے حال سے گذر رہی ہے، خطرے کے حال سے گذر رہی ہے۔ امریکہ کے بہتیرے ایوانوں میں براجنے والے بھی کانپ رہے ہیں، کاسمک ریز یا کائناتی شعاعوں، اور ان کے روح فرسا، جاں گداز نتائج کو سوچ سوچ کر کانپ رہے ہیں، یورپ بھی لرزہ براندام ہے، ایٹم کے بم کے استعمال کا نتیجہ کیا ہوگا، ہائیڈروجن بم اگر چھوڑ دیا گیا، تو تمدن و عمران کے ان سارے مظاہر کا حشر کیا ہوگا، جن کے ساتھ ان کی روحیں لپٹی ہوئی ہیں، اور جو پس ماندہ قومیں زمین کے کناروں پر پھیلی ہوئی ہیں ان پر بھوک کی، قحط کی، وباؤں کی تھادہ جنگیوں کی مصیبتیں مسلط ہیں، جس کا آج گذر جاتا ہو نہیں جانتا کہ کل اسکے سامنے کن مشکلوں میں آئے گا، اونچے ہوں یا نیچے، بڑے ہوں، یا چھوٹے ہتھیار والے ہوں، یا نہتے، کوئلے والے

ہوں، یا لوہے والے، تیل والے ہوں، یا بجلی والے، جھگڑے والے ہوں یا ٹنٹے والے، اکثریت والے ہوں یا اقلیت والے، ہر ایک کے آگے خطرات ہی کے بھوت دانت نکالے کھڑے ہیں، ہر سوچنے والا جب سوچتا ہے تو پھاڑ دینے والے چنگلوں، اور نوچ کر رکھ دینے والے ناخنوں کے سوا اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا آگ برس رہی ہے، پگھلے ہوئے لوہے اور سیسے کی بارش ہو رہی ہے، چھریاں گر رہی ہیں، بھالے لٹک رہے ہیں، ہر طرف کھنچی ہوئی کمانوں، اور تنی ہوئی تلواروں کی پرچھائیاں جھانک رہی ہیں، زندگی "موت" کے خطرے میں گھر کر "موت" سے زیادہ موذی اور تکلیف دہ بن گئی ہے۔ جو شہروں میں ہیں، ان پر ڈاکے پڑ رہے ہیں، چوروں کے دھاووں سے تنگ آگئے ہیں، اور جو دیہاتوں میں ہیں، ان پر بھیڑیے واقعی بھیڑیے اور لکڑ بگھے چھوٹ پڑے ہیں۔

پھر یہ زندگی کیا ہے؟ یہ دنیا کیا ہے؟
آسمان و زمین کا یہ مجموعۂ کائنات کیا ہے؟

غور کیجئے، ان سوالوں کے متعلق اندر کا ایک احساس یہ ہے کہ صرف بکھرے ہوئے ذرات اور منتشر عناصر کا یہ ایک اتفاقی مجموعہ ہے جو کسی کے قابو میں نہیں ہے، اسی کے مقابلہ میں دوسرا ذہنی شعور، اور فکری تاثر یہ ہے کہ

ایک حی و زندہ قوت سب کو تھامے ہوئے ہے، جسے نہ غنودگی چھوتی ہے اور نہ نیند پکڑتی ہے، آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے، اور زمین، زمین پر جو کچھ ہے وہ بھی اسی کا ہے (اس کی پیدا کی ہوئی اس دنیا میں) کوئی سفارش کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتا (گویا بھیک بھی نہیں مانگ سکتا) جب تک کہ سفارش کرنے کا اذن وہی نہ دے، آگاہ ہے وہ ان تمام باتوں سے جو (آدمی) کے آگے ہیں اور جو اس کے پیچھے ہیں، اس کے علم و دانش میں کیا کیا ہے اس کی خبر کسی کو نہیں، مگر وہی کچھ بتانا چاہے،

اس کے (اقتدار) کی کرسی ہی میں سمائے ہوئے ہیں، آسمان بھی اور زمین بھی، اور (آسمان و زمین کے اس مجموعہ) کی نگرانی سے وہ کبھی درماندہ نہیں ہوتا۔[۱]

---

[۱] تقریباً یہ لفظی اور حاصل ترجمہ ہے قرآن مجید کے اس حصہ کا جو عام طور پر آیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۲

یقیناً احساس کی اول الذکر نوعیت ہو، یا انفعالی تاثر کی دوسری شکل ہو، دونوں حالوں میں "باہر" جوں کا توں رہتا ہے، مگر کیا ان دونوں شعوری کیفیتوں کے ذہنی نتائج، اور دماغی انفعالات جو "اندر" میں پیدا ہوتے ہیں، یا ہو سکتے ہیں، دونوں کی نوعیت کیا ایک ہی ہوگی، رسّی کو جو سانپ باور کیے ہوئے ہے اور اسی رسّی کو جو سمجھتا ہے کہ سانپ نہیں وہ تو رسّی ہے، دونوں کی ذہنی کیفیت کیا ایک ہی ہوگی؟ خصوصاً اسی کے ساتھ جب یہ بھی سوچا جائے کہ فکر کے اول الذکر قالب کی بنیاد صرف جہل اور نہ جاننے پر مبنی ہے، یعنی صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ گوناگوں کثرتوں کا یہ مجموعہ جس کا نام عالم ہے، اس کا کوئی شیرازہ بند اور نگراں بھی ہے، ہم اسے نہیں جانتے، یا ہمارے پاس اس کے فیصلہ کا کوئی غیر مشتبہ قطعی ذریعہ نہیں ہے، برخلاف اس کے ثانی الذکر ذہنیت کی تعمیر اس علم سے ہوئی ہے جو قطعاً معصوم ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہے، جس میں شک و شبہ کی گنجائش کسی راہ سے پیدا ہی نہیں ہو سکتی، اِلّا یہ کہ کوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے گواہوں کی جماعت ہی سے (العیاذ باللہ) خارج ہو گیا ہو۔

اور میرا تو خیال یہی ہے کہ اس علم کے بعد بھی شک کی تلخیوں، اور کڑواہٹوں کو کوئی اپنے اندر اگر پاتا ہے تو اپنی ذہنی کیفیت اس کو ان ہی لوگوں کی جیسی نظر آتی ہوگی جو مانتے ہیں کہ عالم کا یہ نظام کسی قادر و مقتدر حی و قیوم کے چلانے کے بغیر چل رہا ہے اور یہ کہ یہاں کی ساری کثرتیں اختیار و ارادہ کی کسی وحدت کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں تو اس کو خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہیئے کہ آخری نبوت، اور عالمی رسالت کی گواہی دینے والوں کی جماعت سے کیا تو خارج ہو گیا ہے؟

بہرحال آگے کی طرف جس وقت ہماری لاری تیزی کے ساتھ بھاگی چلی جا رہی تھی اس وقت ہم باہر کے نہیں بلکہ بالکلیہ اپنے اندرونی احساسات ہی کے دباؤ کے نیچے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ پڑے کے بعد پڑے ہٹتے چلے جا رہے تھے، اپنی جدّہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ (ملکۂ مصر) نگاہوں میں گھوم رہی تھیں، کرۂ زمین کے سب سے بڑے مقدس شہر البلد الامین کی بنیاد رکھنے والی اپنی یہی ماں ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ سامنے سے گذر رہی ہیں، پوچھتی ہیں، مردوں نے بڑی بڑی آبادیاں بنائیں، لیکن عورت کے بسائے ہوئے اس شہر کے مقابلہ میں تم مردوں ہی کی مرتب کی ہوئی تاریخ کیا بتا سکتی ہے کہ کوئی شہر یا کوئی قصبہ، کوئی گاؤں، کوئی کھیڑا ایسا ہے جو اتنا ہی متبرک، اتنا ہی مقدس، خالق کی نگاہوں میں بھی اتنا محبوب، اور اس کے دوستوں کی نظروں بھی اتنا پیارا ہو، جتنا کہ بے آب و گیاہ وادی کی یہ بستی ہو، گویا بخاری کے تاریخی الفاظ

لیس بمکۃ یومئذ احد ولیس بھا ماء   جب سیدہ ہاجرہ پہلی دفعہ اس سرزمین

میں پہونچیں جس کا نام اب مکہ ہے تو اس
وقت وہاں کوئی نہ تھا، اور نہ اس علاقے
میں پانی تھا۔

حافظے کے خزانے سے باہر نکل نکلکر ایسا معلوم ہو رہا تھا میری نظروں کے سامنے کھڑے ہیں، یاد آتا چلا جاتا تھا کہ پانی کا وہ زمزمی سوتا جس سے خدا ہی جانتا ہے کہ اس وقت تک کتنے پینے والے پانی پی چکے ہیں، اور آئندہ ہر سال آ آکر رہتی دنیا تک پتے چلے جائیں گے، اس پتھریلے خشک بیاباں میں پانی کا یہ عجیب و غریب سوتا اسی پاک خاتون کے دوڑ دھوپ کی بدولت برآمد ہوا تھا، سبق پر سبق مل رہا تھا، جہاں کوئی نہ تھا، ایک ننھے منے شیر خوار بچے کے ساتھ یہ بہادر عورت اسی سنسان وادی میں تن تنہا دن ہی نہیں، بلکہ بھیانک اور ڈراؤنی راتوں کے گذارنے پر صرف اس لیے آمادہ ہوگئی کہ اپنے خاوند حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ دریافت کرنے پر

الی من تترکنا — تم ہمیں کس پر چھوڑ کر چلے

جوں ہی کہ "الی اللہ" (اللہ پر چھوڑ کر) کا جواب علم کے غیر مشتبہ ذریعہ (وحی ابراہیمی) سے ان کے کانوں تک پہونچا، تو جیسا کہ بخاری میں ہے

"رضیت باللہ" — میں خوش ہوں اللہ کے ساتھ

کے الفاظ سے اسی عورت نے اعلان کیا کہ اسکے دل میں نہ خوف ہی رہا اور نہ ملال، دل مطمئن تھا، دماغ نے یہ سوچنا ہی چھوڑ دیا کہ اس دن کے بعد جو رات آئے گی، اور رات کے بعد پھر دن آئیں گے یوں ہی شب و روز کا یہ سلسلۂ تنہائی کی اس زندگی میں ہم پر جب گذرے گا، تو اس وقت کیا ہوگا، نہ چوروں کا ڈر ان کو سہاتا اور لرزاتا تھا اور نہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کے تصور سے آنکھیں پتھراتی تھیں، سانپوں اور بچھوؤں، درندوں اور گزندوں کا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سوال ہی اس کوہستانی وادی میں ان کے لیے باقی نہ رہا تھا، اور سب سے زیادہ دلچسپ مسئلہ یہ ہے کہ بجز اس زنبیل (جراب) کے جس میں کھجوریں تھیں، اور ایک مشکیزہ کے جس میں پانی تھا، معاشی اطمینان کا کوئی دوسرا ذریعہ ماں اور بچے کے لیے یہاں موجود نہ تھا، لیکن اللہ کے ساتھ وہ خوش ہو چکی تھیں، وہی جن کی اولاد اور جن کے نام لیواؤں کے ملیے کروڑوں کی تعداد میں بھی خوشی اور مسرت کا لفظ بے معنے ہو چکا ہو۔

آہ! اسی شیر دل خاتون کی نسل سے پیدا ہونے والے اور ان کی تاریخ پر فخر کرنے والے ان کے کمالات کے گیت گانے والے مردوں کا کوئی ذہنی مشغلہ اکثریت و اقلیت یا معاشی سہولت و دقت کے

تذکروں کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا ہے، حالاں کہ جیسے ان بیوی صاحبہ کو ان کے شوہر ابراہیم علیہ السلام اللہ پر چھوڑ کر گیے تھے، اسی طرح جس پیغمبر کی امت میں مردوں کا یہ گروہ اپنے آپ کو شمار کرتا ہے، انھوں نے بھی ان کو اللہ ہی کی حفاظت میں بایں الفاظ

فاللہ خلیفتہ علی امتی — اللہ ہی میرے بعد میری امت کا نگراں ہے،

ان کو دیا تھا۔

لیکن جن کی ماں نے تنہائی اور بے کسی کی اس تاریخی گھڑی میں

رضیت باللہ — میں خوش ہوں اللہ کے ساتھ

کے لنگر سے اپنے دل کو باندھا تھا، اسی ماں کے بچے جب گھبراتے ہیں، اور مستقبل کے آنے والے دنوں اور ان آنے والے دنوں میں پیش آنے والے واقعات سے جو جاہل ہیں وہ ان ہی کے متعلق کچھ فرضی تصورات کو خود گھڑتے ہیں اور اپنے ان ہی خود تراشیدہ خیالات سے وہ خود بھی ڈرتے ہیں، دوسروں کو بھی ڈراتے ہیں، خود بھی بھڑکتے ہیں، دوسروں کو بھی بھڑکاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ کی انجانی باتوں کو واقعی وہ جانتے ہیں، یا زندگی کے گذرے ہوئے دنوں میں آئندہ کے متعلق جو باتیں یہ سوچتے یا فرض کرتے رہے ہیں، ہمیشہ وہی واقع بھی ہوتی رہی ہیں، گویا غیب کی طرف جو تیر بھی وہ چلاتے رہے ہیں، اس کا تجربہ ان کو ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ نشان ہی پر بیٹھتے رہے ہیں اور نشانے سے کبھی نہیں چوکے ہیں۔

وہ اللہ کو نہ مانتے، تو یہ بات ہی دوسری ہوتی، لیکن یہ مانتے ہوئے کہ کائنات کا شیرازہ ایک زندہ و بیدار ہمہ اقتدار، ہمہ اختیار قوت کے ساتھ بندھا اور جکڑا ہوا ہے، وہ یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ لطف و مہربانی رحم و رافت کا تجربہ جس کسی کو کسی سے بھی پہلے ہوا ہو، یا اب ہو رہا ہو، یا آئندہ ہو سکتا ہو، خواہ وہ ماں باپ، بھائی بہن، بیٹے بیٹیاں ہی کیوں نہ ہوں، اس سلسلے میں سب سے بڑی رحم کرنے والی کائنات کی یہی اقتداری قوت ہے، براہ راست خود اسی نے اپنی خصوصیت یہ ظاہر کی ہے کہ وہ "ارحم الراحمین" ہے، اسی کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ... حصوں میں سے صرف ایک حصہ رحم کا مخلوقات میں تقسیم ہوا ہے، رحم کے اسی ایک حصہ کے یہ مظاہر ہیں جن کا ہم ماؤں کی مامتاؤں میں باپوں کی مہربانیوں میں رشتہ داروں، عزیزوں، قریبوں کے خونی تقاضوں میں نہ صرف انسانوں میں بلکہ پرندوں میں، چرندوں میں، درندوں میں، الغرض ساری جان رکھنے والی ہستیوں میں، محبت کی نمائشیں جن جن شکلوں میں بھی ہو رہی ہوں یقین دلایا گیا ہے کہ یہ سب

کچھ اسی ایک حصہ کا اثر اور نتیجہ ہے جو مخلوقات میں خالق کی طرف سے تقسیم ہوا ہے اور ننانوے حصے اسی رحمت کے ارحم الراحمین کی ذات پاک ہی تک محدود ہیں،

الغرض وہی الرحمٰن بھی ہے، الرحیم بھی ہے اپنے بندوں پر رؤف بھی ہے ان کا ودود یعنی بہت بڑا چاہنے والا اور سب سے زیادہ ان سے محبت کرنے والا بھی وہی ہے۔ یہ ساری باتیں ان کے ایمان کے جوہری عناصر ہیں، بایں معنی کہ ان میں سے کسی ایک بات کا انکار ہی نہیں بلکہ اس کے متعلق شک اور تذبذب کی کیفیت اپنے دل میں وہی پا سکتا ہے، جو قرآن کو اللہ کا کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا صادق و راست باز رسول (العیاذ باللہ) نہیں مانتا۔

اور یہی کیا میں تو کہتا ہوں کہ قرآن کی ایسی آیتیں، مثلاً

افتعبدون من دون اللہ ما لا ینفعکم شیئاً ولا یضرکم اُفٍّ لکم ولما تعبدون	کیا تم اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع ہی پہونچاتی ہیں اور نہ ضرر، تف ہو تم پر اور ان چیزوں پر جنھیں تم پوجتے ہو۔ (الانبیاء)

یا ارشاد ہوا ہے

یدعوا من دون اللہ ما لا یضرہ ولا ینفعہ ذلک ھو الضلال البعید (الحج)	وہ پکارتا ہے اللہ کے سوا ان چیزوں کو جو نہ ضرر ہی اسے پہونچاتی ہیں اور نہ نفع یہی ہے دور رس گمراہی۔

یہ اور اسی قسم کی آیتوں کی قرآن میں کیا کمی ہے جن کا حاصل یہی ہے کہ خالق کائنات کے سوا جتنے الٰہ اور معبود بنا لیے گیے ہیں، نہ نفع رسانی کی قوت وہ رکھتے ہیں اور نہ ضرر رسانی کی۔

پھر ان ڈرنے والوں اور ڈرانے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ خالق کو معبود بنا لینے اور اسی کو اپنا الٰہ ٹھہرا لینے کے بعد بھی اگر وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مصیبت جب آئے گی، تو جیسے مشرکوں کے جھوٹے معبود غیر مفید بن کر رہ جاتے ہیں، اسی طرح ان کا اللہ بھی مصیبت کی ان گھڑیوں میں کیا غیر نافع بن کر رہ جائے گا۔ اور ان کے کام نہ آئے گا۔ اللہ اللہ اگر واقعہ کی صورت حال یہی ہے تو پھر مشرکوں کے معبودوں اور ان لوگوں کے معبود میں کیا فرق رہ جائے گا جنھوں نے مخلوقات کو چھوڑ کر کائنات کے اس خالق اور مالک کو اپنا معبود اسی کے حکم سے بنا لیا ہے جس کے بس سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

ما وعدنا اللہ و رسولہ الا غرورا　　　　اللہ اور اس کے رسول نے نہیں وعدہ کیا تھا، مگر صرف فریب۔

اس احساس کو تو قرآن نے نفاق کی علامت قرار دیا ہے، پھر جو ان وسوسوں میں مبتلا ہیں کہ وقت آنے پر خدا بھی گول ہو جاتا ہے اور اپنے پوجنے والے مخلص بندوں کو وہ بھی چھوڑ دیتا ہے ان کو اپنے اپنے دلوں کا جائزہ لینا چاہیئے، اور غور کرنا چاہیئے کہ آخر وہ کیسی باتیں سوچ رہے ہیں، اگر خالق کا حال بھی وہی ہے جو حال مخلوق معبودوں کا قرآن نے بیان کیا ہے، تو اللہ اور معبودوں کی ان دو قسموں میں فرق ہی کیا باقی رہا۔

میں پھر دور نکل گیا، گفتگو اس پاک بستی کی بنیاد رکھنے والی ستنا ہاجرہ (علیہا السلام) کے متعلق ہو رہی تھی کہ "الی اللہ" کی خبر اپنے شوہر سے پانے کے بعد "میں خوش ہوں اپنے اللہ کے ساتھ" انھوں نے جو فرمایا تھا، یا بعض روایتوں میں ہے کہ اسی کے ساتھ "حسبی" کا لفظ بھی ان کی زبان پر جاری ہوا یعنی اللہ میرے لیے کافی ہے بلکہ بخاری والی روایتوں میں سے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ستنا ہاجرہ نے اس قصر پر یہ بھی کہا کہ

اذا لا یضیعنا　　　　اگر ایسا ہے (یعنی خدا کی حفاظت میں حبیب دی گئی ہوں) تو خدا مجھے ضائع ہونے نہ دیگا۔

یہ کیسی حیرت انگیز، سبق آموز بات تھی، ایک عورت یقین کی اس چٹان پر ڈٹ سکتی ہے، اور ڈٹ گئی، دنیا جانتی ہے کہ اس پر قدم جانے کے بعد پھر اس کے پاؤں ایک لمحہ کے لیے نہ ہلے اور نہ ڈگے، اور اسی کا یقین مستقبل کی تاریخ بن گیا، تقریباً چار ہزار سال بعد ہم اس شہر، پاک شہر کی طرف جا رہے تھے، جو ان بوی صاحبہ سے آباد ہونے کے بعد آباد ہی رہا اور اب تک آباد ہے، اور جب تک کہ وہی وقت نہ آجائے کہ خاکی دنیا کا نظام ہی برباد ہو جائے ہمارا ایمان ہے کہ وہ آباد ہی رہے گا۔

امام بخاری کی جامع صحیح کی مشہور روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لیحجن ھذا البیت ولیعمرن بعد یاجوج وماجوج　　　　اس گھر (بیت اللہ) کا حج اور عمرہ یاجوج وماجوج کے بعد بھی لوگ کرتے رہیں گے،

یاجوج وماجوج دنیا کی جو قوم بھی ہو، لیکن اتنی بات تو قرآن سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ قرب قیامت سے پہلے کھولی جانے والی قوموں کو یاجوج وماجوج کا نام دیا گیا ہے [1]

---

[1] یاجوج وماجوج کے متعلق عوام میں جو یہ مشہور ہو کہ دیوار کے گرنے کی وجہ سے ان کو باہر نکل جانے کا موقعہ (باقی اگلے صفحہ پر)

ملے گا حضرت الاستاذ الامام مولانا انور شاہ کشمیری کی املائی شرح بخاری میں ہے کہ قرآنی الفاظ سے اس دعوے کی تائید نہیں ہوتی، بلکہ دیوار کا گرنا بجائے خود الگ واقعہ ہو اور یاجوج ماجوج کا کھلنا یہ الگ مسئلہ ہے ثانی الذکر مسئلہ کا ذکر سورہ انبیاء میں کیا گیا ہو اور دیوار کے گرنے کا تذکرہ سورہ کہف میں ہو، یاجوج ماجوج کے متعلق وہ مشہور روایت کہ دیوار کو چاٹتے ہیں شاہ صاحب کے نزدیک نومسلم یہودی عالم کعب احبار کا قول ہے جو یہودی روایتوں پر مبنی ہے، بہر حال حضرت شاہ صاحب کی اس تحقیق کو پیش نظر رکھتے ہوئے چاہیئے کہ لوگ ان باتوں کو بھی سوچا کریں یعنی اسی یاجوج ماجوج کے متعلق عیسائیوں کے ایک بزرگ یوحنا نامی کی کتاب مکاشفات میں ایک شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے جو آئندہ زمانہ میں پیدا ہوگا اور اپنی قوم میں "امین و صادق" کہلائے گا بیان کیا ہے کہ ہزار سال تک شیطان لوگوں کو اس لئے گمراہ نہ کرے گا کہ اتھاہ گڑھے میں فرشتہ اس کو قید کر دیگا، پھر جب ہزار سال پورے ہو جائیں گے تو تھوڑے دن کے لیے شیطان بھی کھولا جائے گا، اور

> ان قوموں کو جو زمین کی چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کرکے لڑائی کے لیے جمع کرنے کو نکلے گا، ان کا شمار سمندر کی ریت کے مانند ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائیں گی، اور مقدسوں کی لشکر گاہ اور عزیز شہر (بلد اللہ الحرام) کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی (باب ۲۰ یوحنا کا مکاشفہ)

اور اسی سے سمجھ میں آتا ہو کہ خروج یاجوج و ماجوج کے بعد بھی حج و عمرہ لوگ کرتے رہیں گے، بخاری شریف میں اسکا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیوں کیا گیا ہے، چاروں طرف سے "عزت و حرمت والے شہر" کو یاجوج ماجوج گھیر لیں گے، لیکن خدا کی شان ہوگی کہ لوگ اس حال میں حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرتے رہیں گے اور جیسے عیسائیوں کے صاحب مکاشفہ بزرگ یوحنا کا یہ بیان ہے اسی طرح یہودیوں کے ایک روشن ضمیر بزرگ جنکا نام حزقیل تھا اپنے مکاشفوں کو قلم بند کرتے ہوئے ایک طویل مکاشفہ اپنا یہ بھی انھوں نے درج کیا ہو کہ خداوند کا کلام مجھکو پہونچا اس نے کہا ہو آدم زاد تو یاجوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روس و مسک و توبل کا سردار ہو اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف خبر دے اور کہہ کہ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہو کہ دیکھ اے یاجوج روس و مسک و توبل کے سردار میں تیرا مخالف ہوں (حزقیل باب ۳۸) ۔ عجب بات یہ ہو کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ارباب کشف کی کتابوں میں جیسے یاجوج و ماجوج کا ذکر ملتا ہو، اسی طرح ہندوؤں کی پرانی کتابوں میں "کوک و کوک" کے الفاظ سے کچھ پیشگوئیاں ملتی ہیں رگ وید ۲ ادھیا ۲۴ شکسہ ۳ منڈل، کا ایک فقرہ ہو، لے مالک ہمارے مندروں کو کوکی کھنڈت سے بچا" اسی طرح کلکی پران کے حوالے سے اسی کوک و کوک کے متعلق ایک مکاشفہ بعض لوگوں نے نقل کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں گنجی ہوں گی، اور چھچھوندر کی طرح چیخنے والی سواری پر وہ سوار ہوں گے وغیرہ ۔ ۱۲

اور یوں بھی الناس (انسانوں) کے قیام و بقاء کو قرآن ہی میں جب اسی گھر کے ساتھ وابستہ قرار دیا گیا ہے، تو یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ زمین کے اس کرہ پر آدمی (الناس) تو چلتے پھرتے رہیں اور وہ گھر (البیت) زمین کی پشت سے (العیاذ باللہ) غائب ہو جائے جس کے بغیر قرآن کے رو سے نہ یہاں کوئی چل سکتا ہے اور نہ پھر سکتا ہے،

کچھ بھی ہو، آئندہ کیا ہونے والا ہے، کن کروٹوں کو مستقبل میں دنیا لینے والی ہے، اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے۔ جب بھی عہد ابراہیمی سے بیسویں صدی عیسوی تک ہزاروں سال کا جو طویل و دراز وقفہ ہے، اس میں تو جنس لطیف کے ایک فرد کی بسائی ہوئی اس آبادی کو تاریخ کی نگاہوں نے ہمیشہ آباد ہی پایا ہے، عبرت و بصیرت کے لیے کیا یہی کافی نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ کلیات سے زیادہ انسانی فطرت جزئی مثالوں اور نظیروں سے متاثر ہوتی ہے، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے زیادہ جزئی واضح صاف نظیر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اجاڑ، چٹیل، ننگے، خشک پہاڑوں کے سوا جہاں اور کچھ نہ تھا خوف اگر کہیں ہو سکتا ہے تو اس سے زیادہ خوف ناک جگہ کا شاید تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، بھوک اور فاقہ کا خطرہ کسی مقام کے ماحولی حالات کی بنیاد پر پیدا ہو سکتا ہے، تو اس خطرے کے سارے اسباب سے بن کھیتی کا یہ بیابان معمور ہے، لیکن تاریخ کی اس طویل مدت میں پہلے بھی دیکھا گیا اور اب بھی دیکھا جا رہا ہے کہ اس آبادی میں بسنے والوں کو کھلایا بھی جا رہا ہے پلایا بھی جا رہا ہے، اور امن و امان کی زندگی سے یہاں کے بسنے والے بھی اسی طرح مستفید ہوتے چلے آ رہے ہیں، جیسے دنیا کے دوسرے خطوں کے آباد کاروں کو زندگی گذارتے ہوئے دیکھا جا رہا ہے بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ شاید دوسروں سے ان کا حال ہر زمانہ میں کچھ بہتر ہی رہا ہے، حالات اور خصوصیات ہی اس سرزمین کے ایسے ہیں کہ کشور کشائی کے متوالوں کے لیے اس سرزمین پر کسی قسم کی کوئی کشش کسی زمانہ میں پیدا نہ ہوئی، کبھی کبھی کوئی معمولی مقامی فتنہ اٹھا بھی تو اٹھنے کے ساتھ ہی دب گیا، اور خوف سے محفوظ رہنے کی ایک بڑی وجہ یہی ہوئی، اسی طرح ہر زمانہ میں یہ بھی دیکھا گیا کہ اس شہر کے رہنے والوں کی معاشی سہولتوں کی ذمہ داری عموماً باہر والوں کے دلوں میں مختلف وجوہ سے بیدار ہوتی رہی[1]، مدت تک عرب کے باشندے یہ سمجھتے رہے کہ اس شہر کے باشندوں کی

---

[1] اللہ کے خلیل علیہ السلام کی دعا ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون (اے میرے پروردگار میں نے اپنی نسل کو بسا دیا ہے، بن کھیتی والی اس وادی میں جو احترام ہے موجود تیرے گھر کے پاس ہے، پس لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف لگا دے اور ان کو پیداوار سے روزی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پشت پناہی ان کے فرائض میں داخل ہے، خود کما کما کر جو کچھ پہونچاتے تھے وہ تو پہونچاتے ہی تھے، اس کے سوا بھی تلاش معاش میں جدھر بھی یہاں کے رہنے والے نکل جاتے تھے، عربی قبائل ان کی حفاظت و نگرانی میں پیش پیش نظر آتے ہیں اور آخر میں تو عرب سے باہر کی حکومتوں تک نے الایلاف[1] کی سندیں دیکر تجارتی کاروبار کے پھیلانے اور بڑھانے کا موقعہ اس شہر کے باشندوں کے لیے مہیا کیا،

اور یہ واقعات تو اسلامی تاریخ کے آغاز سے پہلے کے ہیں، پھر وہی بستی جس کے متعلق یسعیاہ نبی نے یہ خبر دیتے ہوئے کہ "تو ترک کی گئی"

اور کس طرح چھوڑی گئی کہ بقول ان ہی کے

"کسی آدمی نے تیری طرف گذر ہی نہ کیا"

باہر والوں نے لالچ کی نظر سے اس سرزمین کو نہیں دیکھا تھا، اسی کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرنے کے بعد جو والہانہ گیت ان کی کتاب میں اب بھی پایا جاتا ہے، یہ یسعیاہ کی کتاب کا باب ۶۰ ہو، اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے صدیوں پہلے وہ فرما رہے تھے کہ

اٹھ منور ہو، کیونکہ تیرا نور آگیا، اور خداوند کا جلال تجھ پر ظاہر ہوا، کیونکہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا گئی اور تیرگی امتوں پر، لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا، اور اس کا جلال تجھ پر نمایاں ہوگا اور قومیں تیری روشنی کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عطا کرتا کہ وے تیرا گن گائیں) یہی ابراہیمی دعا رہی جس کی مقبولیت کا تماشا ہزار ہا ہزار سال سے دنیا کو دکھایا جا رہا ہو۔ ۱۲

[1] مفسرین سورۃ القریش کے لفظ "ایلاف" کا مادہ "الفت" بتا کر کہتے ہیں کہ الصیف (گرمی) الشتاء (سردی) کے موسموں میں تجارت کرنے کی امنگ قریش کے دل میں جو پیدا ہوتی تھی، اس کی تعبیر "ایلاف" کے لفظ سے کیگئی ہو، لیکن حال میں ہمارے برادر عزیز ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ابن حبیب کی کتاب "المحبر" کی واضح تصریح کی بنیاد پر اس نتیجے تک پہونچے ہیں کہ "الایلاف" تجارتی لائی سنس یا اجازت نامہ کی تعبیر ہے، یہ اس زمانہ کا ایک محاورہ تھا، قریش کو گرمیوں اور سردیوں میں جن جن ممالک کے اندر تجارت کے اجازت نامے حاصل ہوئے تھے ان ہی کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے ڈاکٹر صاحب کی یہ علمی تحقیق اہل علم کی توجہ کی بھی اور ان کی طرف سے شکریہ کی بھی مستحق ہے۔

آئیں گی اور سلاطین تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔"

بہرحال "تاریکی" کے بعد اس شہر بلکہ سارے عرب کا بلکہ سارے جہاں کا نور جب آ گیا، اور جو بستی تاریخ کے نامعلوم ایام سے بچھڑی ہوئی تھی اس کے منور اور روشن ہونے کا وقت آ گیا، تو جیسا کہ ان ہی یسعیاہ علیہ السلام نے فرمایا تھا، یہ دیکھا گیا، آگے اسی کتاب میں ہے کہ اسی بچھڑی ہوئی بستی کو خطاب کر کے انھوں نے کہا

اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف دیکھ، وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں، اور تیرے پاس آتے ہیں تیرے بیٹے دور سے آئیں گے اور تیری بیٹیوں کو گود میں اٹھا کر لائیں گے"[1]

اس شہر کے بیٹوں اور بیٹیوں کے ذکر کے بعد وہی فرماتے ہیں:۔

اور بے گانوں کے بیٹے تیری دیواریں بنائیں گے، اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گاری کریں گے"[2]

اسی میں حضرت یسعیاہ کا یہ الہامی کلام بھی ہے کہ

میں تجھے ابدی فضیلت بخشوں گا، اور پشت در پشت کی شادمانی

---

[1] قریش جو مکہ کے باشندے تھے، زمین کے کناروں تک اسلام کے بعد پھیل گئے اور اب یہی قریش سادات و شیوخ ہند سے سند سے بخارا سے مراکش سے، اور کیا بتاؤں کہاں کہاں سے اکٹھے ہو ہو کر اپنی قریشیہ بیویوں کے ساتھ حج کے لیے وہاں حاضر ہوتے ہیں۔ [2] یہ ان غیر عربی النسل مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جن کو تیرہ ساڑھے تیرہ سو سال کی اس مدت میں حرم کی خدمت کی توفیق بخشی گئی، آج بھی "المسجد الحرام" کی دیواریں سلطان محمود ترکی کی اٹھائی ہوئی ہیں، اور اس سے کون ناواقف ہے کہ "خادم الحرمین الشریفین" ترکی سلاطین کا سب سے زیادہ محبوب خطاب تھا، خدمت گذاری کے اس جذبہ کی شدت کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ ہندستان کے مشہور پٹھان بادشاہ شیرشاہ انار اللہ برہانہ نے باضابطہ پروگرام بنایا تھا کہ سلطان ترکی سے اس کا معاہدہ کیا جائے کہ "حرمین" میں سے ایک "حرم" کی خدمت کی سعادت کا موقعہ ہندستان کو عطا کیا جائے، ملا عبدالقادر بداونی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ آگرہ کے مشہور محدث مولانا رفیع الدین ایجی کو سلطان ترکی کی خدمت میں اسی کام کے لیے بطور سفیر کے بھیجنے کا قطعی فیصلہ شیرشاہ کر چکا تھا، اسی لیے مولانا کو شیرشاہ نے روک لیا تھا لیکن کالنجر کا حادثہ اچانک پیش آ گیا اور شیرشاہ کی آرزو پوری نہ ہو سکی تفصیل کے لیے میری کتاب نظام تعلیم وتربیت شایع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی کا مطالعہ کیجیے ۔ ۱۲

کا باعث بناؤں گا، تو قوموں کا دودھ ہی لے گی، ہاں بادشاہوں
کی چھاتی چوسے گی۔"

اور جہاں اسلام کے بعد پیش آنے والے مذکورہ بالا واقعات کا تذکرہ اپنے مکاشفہ میں انھوں نے کیا ہے، اسلام سے پہلے بھی جو کچھ اس شہر میں دیکھا جاتا تھا، اس کی طرف انھوں نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے کہ

اونٹوں کی قطاریں، اور مدیان و عیفہ کی سانڈنیاں آکر تیرے
گرد بے شمار ہوں گی وہ سب سبا (یمن) سے آئیں گے، اور
سونا اور لوبان لائیں گے۔"

یہ عرب کے غیر اسماعیلی لوگوں کا حال تھا، پھر اسماعیل علیہ السلام کے منجھلے صاحبزادے قیدار اور بڑے نبیط کے نام کی تصریح کر کے فرماتے ہیں کہ

قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی اور نبیط کے مینڈھے
تیری خدمت میں حاضر ہوں گے،

اور اسی کے بعد بیت اللہ الحرام کے لفظ کو انھوں نے دہرایا ہے جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ

"میں اپنے شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا۔"

سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ "بائیبل" کی معتبر کتابوں میں الیسع علیہ السلام کی یہ کتاب بھی جب شریک ہے، تو اہل کتاب آخران تصریحات کا مصداق کس علاقہ کو ٹھہرائیں گے[1] یقیناً مکہ ہی کی گلیوں میں یہ تماشا نظر آتا ہے کہ اونٹوں سے بھری ہوئی ہیں، اور جیسے پل کے نیچے سے لوگ نکل جاتے ہیں، عموماً ان اونٹوں کے پیٹ کے نیچے سے لوگ گذرتے ہیں، خود اس فقیر کو بھی متعدد مواقع میں یہی کرنا پڑا، قیدار اور نبیط کی اولاد عرب کے سوا اور کہاں ان لوگوں کو مل سکتی ہے۔؟

اور یہی کیا اللہ کے اس روشن ضمیر بندے کے اس مکاشفہ کے بعض فقرے تو اس سے بھی زیادہ عجیب ہیں، مثلاً

---

[1] یہ میں نے اس لیے لکھا ہے کہ حسب عادت ارباب تحریف نے حضرت یسعیاہ کے الہامی کلام کے اندر تحریفی جبارتوں سے بھی کام لیا ہو، بیچ بیچ میں کہیں کہیں اسرائیل، کہیں صیون کے الفاظ داخل کر دیے گئے ہیں، مگر مغالطہ میں ان الفاظ سے وہی لوگ مبتلا ہو سکتے ہیں۔ جو قیدار، نبیوط، مدیان، عیفہ وغیرہ کے مطالب سے ناواقف ہوں، دروغ گوئی کے ساتھ حافظہ کی کمزوری کا لزوم ایک ایسا قدرتی قانون ہے جس سے اس قسم کی تحریفی چال بازیوں کا راز ہمیشہ فاش ہوتا رہا ہو۔ ۱۲

یہ فقرہ کہ

یہ کون ہیں جو بادل کی طرح اڑے چلے آتے ہیں، اور جیسے
کبوتر اپنے کابک کی طرف؟

آج ہوائی جہازوں پر حجاج کے قافلے جو سرزمین حجاز میں پہونچ رہے ہیں، ان کو دیکھ کر آپ ہی بتائیے کہ پوچھنے والا آخر کیا پوچھے، جب مسیح علیہ السلام سے سیکڑوں سال پہلے اس تماشے کو دکھایا جا سکتا ہے، تو اسی باب کے ان الہامی الفاظ کا

میں پیتل کے بدلہ سونا لاؤں گا، اور لوہے کے بدلے چاندی
اور لکڑی کے بدلے پیتل"

ان کا حاصل اگر یہ نکالا جائے کہ کم قیمت معمولی چیزوں کے بدلے حجاز کے علاقے میں قیمتی چیزیں کسی زمانے میں آنے والی تھیں، مثلاً آج مٹی کے تیل کے بدلہ امریکہ اور یورپ سے اس ملک میں جو سونا آ رہا ہے تو استعارے کے رنگ میں یہ فقرہ آدمی کے ذہن کو کیا منتقل نہیں کر سکتا ہے[1]

بہرحال "اللہ ہمیں ضائع ہونے نہ دے گا" مکہ کی بسانے والی بزرگ خاتون کے اس ایمانی فقرے کی تکمیل مسلسل جس رنگ میں ہوتی چلی جا رہی ہے، کیا ہزار ہا ہزار سال میں پھیلے ہوئے جزئی واقعات بھی ان لوگوں کے لیے کافی نہیں ہو سکتے، جو خدا کو بھی مانتے ہیں، اس کی ہمہ گیر فرماں روائیوں، اور ہر جہتی پشت پناہیوں پر ایمان بھی رکھتے ہیں، دون اللہ (اللہ کے سوا) کی عبادت سے انکار انھوں نے اسی بنیاد پر کیا ہے کہ اپنے پوجنے والوں کو وہ نہ نفع پہونچا سکتے ہیں، اور نہ نقصان، وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ پکارنے والوں کی پکار کو ان کا خالق معبود ہر جگہ سے ہر وقت ہر حال میں سنتا ہی، قرآن میں مسلسل ان کو یہ بھی پڑھایا گیا ہے کہ نوح نے اپنے رب کو پکارا اور رب نے نوح کی پکار سنی، ان کو کرب عظیم (بڑی کڑھن اور کوفت) سے نجات بخشی، اندھیریوں (ظلمات) میں یونس نے اپنے ظلم کا اعتراف کر کے خدا کی پاکی کا جب اقرار کیا، تو خدا نے ان کی سنی، زکریا نے پکارا اور ان کی دعا قبول ہوئی، ایوب خدا کے قدموں پر لوٹے اور وہ چنگے کیے گیے، مافات کے ان کی تلافی کی گئی، ابراہیم نے خدا ہی کو اپنے کے لیے کافی قرار دیا۔ خدا

[1] ہماری یہاں کی صحاح کی کتابوں میں ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں کہ آخر زمانہ میں "کعبہ" کے خزانے برآمد ہوں گے کعبہ میں کوئی خزانہ ہو؟ اور اس کی نوعیت کیا ہے میں اس سے ناواقف ہوں، واللہ اعلم کہنے والے جو یہ کہتے ہیں کہ عرب کے دس بارہ لاکھ مربع میل کے نصف حصہ میں صرف پٹرول بھرا ہوا ہو گیا "کنز الکعبہ" سے اسی کی طرف کوئی اشارہ کیا گیا ہو؟ — ۱۲

ان کے لیے کافی ہو گیا، اور ہوا کے سرد جھونکوں سے آگ کے شعلے بدل دیے گئے، الغرض طویل فہرست تصوف کی کسی کتاب، یا تعویذ اور گنڈوں کی کسی بیاض میں نہیں، بلکہ براہ راست ذلک الکتاب لا ریب فیہ میں ان باتوں کی پائی جاتی ہے، اور بار بار مختلف شکلوں میں اسی فہرست کا اعادہ اس کتاب میں کیا گیا ہے لیکن اسی کے ساتھ وہ ان وسوسوں میں بھی غلطاں پیچاں ہیں کہ جیسے دون اللہ (اللہ کے سوا مخلوقات کے) پوجنے والوں کو اپنے معبودوں سے فائدہ نہیں پہونچتا، اسی طرح بجائے مخلوقات کے خالق ہی کی طرف اپنی ساری نیاز مندیوں اور اپنی ساری ضرورتوں اور حاجتوں کے رخ کو پھیر کر جب

ایاک نعبد وایاک نستعین ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں،

کے ساتھ خالق کا پوجنے والا متوجہ ہوتا ہے، تو اس کو بھی اپنے خالق معبود کی دستگیریوں کی توقع نہ کرنی چاہیے۔

ان میں کچھ لوگ جو درحقیقت روح اللہ (اللہ کی رحمت) سے اپنی امیدیں توڑے ہوئے ہوتے ہیں لیکن بات بنانے کے لیے کبھی وہ تقدیر کے مسئلہ کی آڑ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تقدیر میں جو فیصلہ ہو چکا ہو، جب وہ بدل نہیں سکتا، تو دعاء کرنے میں ہم وقت کیوں ضائع کریں، حالاں کہ ٹھیک جس وقت وہ یہ کہتے ہیں، دیکھا جاتا ہو کہ وہ طبیبوں اور ڈاکٹروں کے پاس دوڑ بھی رہے ہیں، اور ان کی بتائی ہوئی دواؤں کو استعمال کر کر کے صحت کے امیدوار بنے بھی بیٹھے ہیں۔ ان ہی کے دل میں اس وقت تقدیر کے فیصلہ کا اس وقت خطرہ بھی نہیں گذرتا، اسی سے سمجھ میں آتا ہے کہ تقدیر و تدبیر کے حدود کو خود ان کا جبلی وجدان بھی خوب پہچانتا ہے، خواہ اپنی یافت کے اظہار کا سلیقہ ان میں نہ پایا جاتا ہو،

بہرحال جب مردہ و جامد مجبور و معذور دواؤں میں شفائی تاثیروں کی تلاش مسئلہ تقدیر کے مزاحم نہیں ہے، تو زندہ توانا، دانا و بینا قادر و مقتدر حی و قیوم کو پکار کر اپنے مشکلات کے حل کی جو امیدیں باندھتا ہو اس کے سر اس عقلی اقدام کو مسئلہ تقدیر کا مخالف آخر کس بنیاد پر ٹھہرایا جاتا ہو جن دواؤں کے اختیار میں کچھ نہیں ہو بلکہ اختیار ہی سے جو کلیتہً محروم ہیں، ان سے صحت کی جستجو، اور شفایابی کی توقع اگر عقل کا اقتضاء ہے تو وہی عقل یہ کیوں نہ چاہے گی کہ جس کے اختیار میں سب کچھ ہے اسی پر اپنی حاجتوں کو پیش کیا جائے، اور جو کچھ مانگنا ہو، اسی سے مانگا جائے۔

نعمت جب مل جاتی ہے، تو اس کی صحیح قدر و قیمت کا وزن دلوں میں باقی نہیں رہتا، ورنہ یہی "الصلوٰۃ" یعنی "نماز" اس کی حقیقت کیا ہو؟ حاجتوں اور ضرورتوں میں ڈوبے ہوئے انسان کے لیے وہ دروازہ کھول دیا گیا ہے، جس سے وہ اپنی پیش آنے والی ضرورتوں اور حاجتوں کو طلب کرتا ہے۔ وہ غلط راستوں

پر پڑا ہوا تھا، بجائے خالق کے مخلوقات ہی سے امداد طلب کرنے لگا تھا، ان ہی ٹیڑھی ترچھی راہوں سے ہٹاکر براہ راست خالق کے سامنے نماز آدمی کو لاکر کھڑا کر دیتی ہے،

ان اعبدونی ھٰذا صراط مستقیم   مجھی کو پوجتے چلے جانا، یہی ہے سیدھی راہ،

کی قرآنی آیت کا یہی مطلب ہے، اور یہ جو ہر نماز میں نمازیوں کے رخ کو "بیت اللہ الحرام" یعنی خدا کی شوکت والے گھر کی طرف پھیرنے کا حکم ہے، اس حکم کی دوسری مصلحتوں کے ساتھ ایک مصلحت یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ "خدائی امداد" کے ظہور کی وہ ایک زندہ تاریخی مثال بھی ہے، اسی گھر کے پاس جیساکہ عرض کرچکا ہاجرہ اور ان کے بچے کے ساتھ قدرتی پشتی بانیوں کا غیر معمولی مظاہرہ قدرت کی طرف سے ہوا، بلکہ عام لوگوں کو شائد معلوم نہیں کہ جب بچے کے ساتھ ستنا ہاجرہ اس وادی میں تنہا چھوڑی گئی تھیں اس بچے کا نام اسماعیل، اس کا لفظی ترجمہ ہی یہ ہے کہ وہ خدا کی سنی ہوئی دعا، تھے آخر جزائیل تو اللہ کا عبرانی تلفظ ہے، اور "اسماع" کا مادہ وہی عربی کا لفظ سمع (سننا) ہے۔

توراۃ کتاب پیدائش میں بھی ہے کہ ستنا ہاجرہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کے پاس جب وہ حاملہ تھیں خدا کا فرشتہ آیا اور اس نے کہا کہ

> تو حاملہ ہے، اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسماعیل رکھنا
> اس لیے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔[۵] (پیدائش ۱۶/۱۲)

خیال کرنے کی بات ہے کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ جس قوم

---

[۵] اس کے بعد توراۃ ہی میں ہے کہ "وہ (یعنی اسماعیل) عربی ہوگا" عام طور پر پرانے اردو ترجموں میں "عربی" کا لفظ درج ہوتا تھا، لیکن ادہر کچھ دنوں سے بجائے عربی کے "وہ گورخر کے مانند آزاد مرد ہوگا" آگے عبرانی توراۃ کا ایک فقرہ ہے "یادو بکل ویاد کل بو" جس کا ترجمہ عام طور سے یہ کیا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اسکے خلاف ہونگے، لیکن عبرانی زبان کے ایک عالم نے بتایا کہ صحیح ترجمہ اس کا یہ ہو کہ اسکا ہاتھ سب کے ساتھ اور سب کے ہاتھ اسکے ساتھ ہونگے جسکا مطلب یہی ہو جو آج نظر آرہا ہے یعنی نسل اسماعیل سے خاتم المرسلین علیہ السلام پیدا ہوئے اور امت اسلامیہ آپکے ذریعہ سارے انسانوں کے لیے کھڑی کی گئی، دنیا کی قوموں کو اس سے اپنے اپنے موروثی دین کی تصحیح کا موقعہ ملا، اور مسلمان ہو ہو کر ان قوموں نے اس کا ساتھ دیا، اسی کے بعد آخری فقرہ عبرانی زبان کا ہے "من کل اخاو یکون" ترجمہ اس کا ہے وہ اپنے ہر ایک بھائی کے ساتھ سکونت کرے گا، آج مسلمان دنیا کی ساری نسلوں کے ساتھ مل جلکر زمین کی پشت پر جو آباد ہیں یہ اسی کی پیش گوئی تھی ۔۱۲

کو یہ عملی مشق کرائی جاتی ہو، کہ اس گھر کی طرف رخ کریں، جو خدا کی سنی ہوئی اور قبول کی ہوئی دعا اسماعیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، اور جس گھر کے تعلق سے مسلسل اس کا تجربہ کرایا جاتا رہا ہے کہ عام اسباب کے لحاظ سے جہاں کچھ نہ تھا، وہیں سب کچھ ہوتا رہا، بندوں نے پکارا اور سننے والے خدا نے سنا، بندوں کی آرزو پوری کی، اسی گھر کی طرف رخ کر کر کے

آپ ہی کو ہم پوچھتے ہیں، اور آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں

کے ساتھ کراہنے والوں اور اپنے مالک کے ڈھونڈھنے والوں کے لیے گنجائش ہی کیا باقی چھوڑی گئی ہے کہ ظاہری اسباب کی ناسازگاریوں کو دیکھ دیکھ کر وہ لرزہ براندام ہوں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اسباب کی ناہمواری ان میں اس امید کو پیدا کرتی ہے کہ بیت اللہ الحرام کے رب کا ہاتھ براہ راست نمایاں ہو گا، اور اس گھر کی مسلسل تاریخ میں جس کا بار بار مشاہدہ کرایا گیا ہے، پھر اسی کے تعلق سے اپنی اعجوبہ طرازیوں، اور طرفہ تماشائیوں کے ساتھ وہ اپنے بندوں کے سامنے آئے گا اور ضرور آئے گا،

کیسی عجیب بات ہے، کہ اس مرکز کی طرف پانچوں وقت نماز پڑھنے والی امت کے حافظے سے دیکھا جا رہا ہے کہ کچھ دنوں سے اس گھر اور اس گھر کی تاریخ کی یاد کو مٹا مٹا کر چند اشتنائی مقامات جہاں سے مسلمانوں کو ہٹنا پڑا، مثلاً اسپین یا سسلی، وغیرہ کی اہمیت کو مرتکز کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، حالاں کہ تیرہ سو سال کی طویل مدت میں خدا ہی جانتا ہے کہ مسلمان دنیا کی کن کن قوموں کے ساتھ جا کر آباد ہوئے اور جہاں کہیں آباد ہوئے بحمد اللہ اس وقت تک وہ وہیں جمے ہوئے ہیں تورات کی پیشگوئی نوٹ میں نقل کر چکا ہوں کہ وہ

"اپنے ہر ایک بھائی کے ساتھ سکونت کرے گا"

ان کی تقدیر ہی "من کل اخاء لیکن" ہے لیکن لوگوں کو نہ شام یاد رہا، نہ مصر، نہ لیبیا، نہ مراکش، نہ ایران نہ ترکستان، نہ چین نہ ہندوستان، نہ جاوا، نہ سماترا، اور یاد رہ گیا، تو صرف ایک اسپین یا اسی یورپ کا جزیرہ سسلی، جہاں ان کی تعداد ہی بہت تھوڑی تھی، اور آبنائے جبل الطارق کے اس پار صرف بارہ میل کے فاصلہ پر افریقہ میں ان کی قاہرہ حکومت قائم تھی، اور وہاں سے مسلسل ہندوستان تک صرف ان ہی کے علاقے تھے اگر حالات کے لحاظ سے تیرہ سو سال کی طویل مدت میں بارہ میل کا فاصلہ طے کر کے دارالکفر کو چھوڑ کر مسلمان دارالاسلام میں منتقل ہو گیے اور واقعات کے تحت محکومیت کی زندگی کو چھوڑ کر وہ ان علاقوں میں واپس آ گیے، جہاں کے وہ حاکم تھے۔ تو بار بار اسی کی یاد کو تازہ کر کر کے مسلمانوں کو ہول دل میں مبتلا کرنے والے کیوں نہیں سوچتے، کہ آخر وہ کیا کر رہے ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلسل ہر روز پانچوں وقت جن کے حافظے میں "بھوک میں کھلانے والے، اور خوف سے امن دینے والے بیت اللہ کے رب

کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے، ان پر صرف اندلس اور سسلی کے منتر کا اثر دیر تک قائم نہیں رہ سکتا، اور جب تک،

فلیعبدوا رب ھذا البیت الذی	پس پوجتے چلے جانا اس گھر کے رب کو جو
اطعمہم من جوع وامنہم من خوف	ان کو بھوک سے کھانا کھلاتا رہا اور خوف سے امن بخشتا رہا،

کے قرآنی حکم کی وہ تعمیل کرتے رہیں گے، بیت اللہ کا بھی رب ان کو کھلاتا بھی رہے گا، اور خوف سے امن بھی بخشتا رہے گا۔

اور مجھ سے پوچھتے ہیں تو جو واقعہ ہے اسی کو عرض کروں گا جس وقت ہماری لاری مکہ معظمہ سے قریب ہوتی چلی جا رہی تھی، میرے دل میں تڑپ اسی "بیت اللہ" کی دید کی تھی، جس کے رب کا نام تو ہمارے کانوں میں اسی وقت ڈالا گیا تھا جب اپنی ماؤں کے پیٹ سے نکل کر زمین کے خاکی کرہ پر ہم ڈالے گئے تھے۔ اور نام سے پہلے ہم اس کی ربوبیت کے کام کا اقرار "بلی" کے لفظ سے اسی وقت کر چکے تھے جب ناسوتی دنیا سے ہمارا تعلق بھی قائم نہ ہوا تھا، وہ ہمارے لیے جانا پہچانا تھا اور ہم تو خیر اس کے بندے ہی تھے۔ جو کہتے ہیں کہ ہمیں "خانہ" کی نہیں، بلکہ "خانہ کے خدا" کی تلاش ہے، ان پر دل ہنستا تھا، بھلا جس خدا کے بغیر ہم اپنی ایک سانس بھی نہیں لے سکتے، جس سے ایک لمحہ کے لیے نہ ہم غائب ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے، اور جس سے غافل ہو کر جینا کفر کی زندگی ہے، یہ کیسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اسی خدا کو ڈھونڈتے ہیں، ڈھونڈھا تو وہ جاتا ہے، جو کھویا گیا ہو، اور جو ایسا ہو کہ وجود و جود کے سارے کمالات ہی کو جس کے بغیر ہم کھو بیٹھیں گے، ایسے پائے ہوئے کو یہ دیوانے کیسے کہتے ہیں کہ ہمیں اسی کی تلاش ہے۔

بہرحال وہ کچھ بھی سوچتے ہوں لیکن ہم تو اپنے اسی "رب" کے "بیت" ہی سے اپنی آنکھیں سینکنا چاہتے تھے، اور اس بیت پر ایک نظر اسی کو حاصل عمر خیال کیے ہوئے تھے، اسی کے جمال و حسن کے تصور میں ہم میں سے ہر ایک محو تھا۔ کیوں کہ حقیقت حقیقت ہی کے رنگ میں نظر آئے اس کے لیے جن احساسات کی ضرورت ہو، ان سے ہر ایک لبریز تھا، ان میں ہر ایک اس بات کا گواہ بن کر جا رہا تھا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، کہہ چکا ہوں کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں، اپنے احساسات کے زیر اثر ہو کر، ان کو دیکھ اور سن رہے ہیں، غلط احساسات ہی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ الماس ہیں شیشہ کا ایک ٹکڑا بھی نظر

سکتا ہے اور احساسات کی تصحیح کا ثمرہ ہو کہ جو التماس ہے اس کو ہم التماس ہی باور کرتے ہیں، جس وقت میقات کے حدود سے گذر کر ہم ان حدود میں داخل ہوئے جن کو حرم کے حدود کہتے ہیں تو جو کچھ بھی ہمارے سامنے تھا ممکن ہے کہ دوسروں کو وہ دشت و بیاباں، پہاڑ اور میدان نظر آتے ہوں، لیکن اپنی نگاہ جدھر بھی جاتی تھی، ہر ایک سے "حرمات اللہ" ہی کی برقی لہریں نکل نکل کر ہمارے احساسات میں پیوست ہوتی چلی جا رہی تھیں اور اس وقت سمجھ میں آتا تھا کہ "حرمات اللہ" کو قرآن میں "شعائر اللہ" کیوں کہا گیا ہے، اللہ کا شعور ان سے دلوں میں کس طرح بیدار ہوتا ہے، اسی کا ذاتی تجربہ ذرے ذرے، تنکے تنکے حدود حرم کے کراتے چلے جا رہے تھے۔

ہم پہلے میقاتی حلقہ سے گذرے، پھر حرم کے حلقہ میں داخل ہوئے، خود بھی ایک نئی بات تھی دنیا میں بیسیوں آبادیاں، سیکڑوں شہر ہیں، جو سیاسی، اور مذہبی یا تجارتی یا مختلف وجوہ سے خاصی اہمیت رکھتے ہیں، لیکن پہلے ایک میقاتی حلقہ، میقاتی حلقہ کے بعد حرم کا حلقہ، حرم بعد المسجد الحرام کا دائرہ، اور اس دائرہ میں

"بیت اللہ الحرام"

کی مجسم "شعور اللہ" کی شان کے ساتھ جلوہ آرائیاں، دائروں پر دائرے، حلقوں پر حلقے جس کی نہ نظیر تھی، نہ شبیہ، ایک کے بعد ایک، سامنے آتا چلا جاتا تھا۔

زیارت کی اہمیت

(از جناب مولانا احتشام الحسن کاندھلوی)

اللہ رب العالمین کی محبت و عظمت کے بعد مومن کے پاس اصل سرمایہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت و عظمت ہے اور جس قدر یہ محبت و عظمت دل و دماغ میں راسخ ہوگی اُسی قدر دیارِ رسولؐ کی زیارت کی اہمیت اور فوقیت نمایاں اور آشکارا ہوگی۔ اللہ رب العالمین کی محبت و عظمت کے ساتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت و عظمت ایک لازمی اور فطری تقاضا ہے، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت و عظمت کے بعد ہر اس شے کی عظمت و محبت ہوگی اور شوق و اشتیاق ہوگا جسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب ادنیٰ انتساب اور وابستگی ہوگی۔ ؎

ومن مذهبي حب الديار لاهلها

وللناس فيما يعشقون مذاهب

مدینہ کی زیارت کی اس سے بڑھ کر اور کیا اہمیت ہو سکتی ہے کہ وہاں سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوات والتسلیم کی آرام گاہ ہے، مکۂ معظمہ سے ہجرت کے بعد آپ نے یہاں قیام فرمایا، اور حشر تک یہی آپ کی جلوہ گاہ ہے۔ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ زیارت کرنے والا جب بارگاہِ رسالت میں پہونچکر سلام عرض کرتا ہے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے سلام کو سُنتے ہیں اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:-

ما من احد يسلم على الا رد الله على روحي حتى ارد عليه السلام

"جو شخص بھی مجھپر سلام کرتا ہے اللہ تعالیٰ میری رُوح کو ادھر متوجہ کرتے ہیں، اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں" (السمہودی عن ابی داؤد والبیہقی)

امام احمد کی ایک روایت میں ہے:-

"جو شخص میری قبر کے پاس مجھپر سلام کرتا ہے اللہ تعالیٰ میری رُوح کو ادھر متوجہ فرماتے ہیں اور میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں"

جس سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ روضۂ اطہر پر سلام کرنے والے کا سلام سنا جاتا ہے، اور بارگاہِ رسالت سے

اس سلام کا جواب عطا ہوتا ہے، اور یہ وہ شرفِ سعادت ہے جس پر پوری دنیا کا قربان کر دینا آسان ہے، جو شخص روضۂ اطہر پر کھڑے ہو کر سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام عرض کرتا ہے اُس کے متعلق حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے دو حدیثیں منقول ہیں —— ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے میں اُس کو سنتا ہوں، اور جو شخص دُور سے صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔" (وفاء الوفا)

نیز حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے میں اس کا جواب دے دیتا ہوں، اور جو شخص دوسری جگہ مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے فرشتے اس کو مجھ تک پہنچاتے ہیں۔"

(وفاء الوفا)

حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو مجھ تک اس کو پہنچاتا ہے۔" (وفاء الوفا)

لفظ سلام کے دو معنی اور دو حیثیتیں ہیں اوّل یہ کہ لفظ سلام سے مقصود بارگاہِ ربّ العزت سے بارگاہِ رسالت کیلئے دُعاء اور طلبِ رحمت ہو جیسا کہ صلوٰۃ و سلام سے مقصود ہے۔

اس معنی میں سلام صلوٰۃ کی طرح انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے، غیر نبی کو علیہ السلام نہیں کہہ سکتے، نیز اس معنی کے اعتبار سے جس طرح روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر سلام پڑھا جا سکتا ہے اسی طرح وہاں حاضر ہوئے بغیر دُور سے بھی پڑھا جا سکتا ہے جو صلوٰۃ و سلام دُور سے پڑھا جاتا ہے وہ تو فرشتوں کے ذریعہ بارگاہِ رسالت تک پہونچایا جاتا ہے اور جو صلوٰۃ و سلام روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر پڑھا جاتا ہے اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ سرکارِ رسالت مآبؐ بذاتِ خود سنیں، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی پہلی حدیث اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے (یعنی یہ کہ حضورؐ اس کو خود سنتے ہیں) یہ درجہ مقربین اور خاص الخاص اُمتیوں کا ہے، اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ یہ صلوٰۃ و سلام فرشتوں کے ذریعہ سے بارگاہِ رسالت تک پہونچے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی آخری حدیث سے معلوم ہوتا ہے یہ عام مسلمانوں کا درجہ ہے جس سے روضۂ پاک پر حاضر ہو کر کوئی بھی سلام پڑھنے والا محروم نہیں رہتا۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ لفظ سلام سے مقصود اظہارِ محبت اور تحیت ہو جیسا کہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے لفظ سلام انبیاء کرامؑ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا اسلامی شعار ہے، اس حیثیت سے

جو مسلمان بھی روضۂ اطہر پر سلام عرض کرتا ہے بارگاہ رسالت سے اس کے سلام کا جواب عطا ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی سابقہ حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ اولیاء و صالحین کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ جب انھوں نے روضۂ اطہر پر سلام عرض کیا تو اندر سے اپنے سلام کا جواب سنا۔ ابن نجار حضرت ابراہیم بن بشار سے روایت کرتے ہیں، کہ:-

"میں نے ایک سال حج کیا اور مدینۂ منورہ حاضر ہوا، جب قبر مبارک پر سلام عرض کیا تو حجرہ شریف سے آواز سنائی دی 'وعلیک السلام'" (وفاء الوفا)

ایسا ہی دیگر اولیاء و صالحین سے بکثرت ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کا معمول تھا جب سفر سے آتے تو قبر اطہر پر حاضر ہوتے اور عرض کرتے:-

"السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابتاہ"

(وفاء الوفا)

ابن عون فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت نافع سے دریافت کیا، کیا ابن عمرؓ قبر مبارک پر سلام عرض کرتے تھے؟ حضرت نافع نے فرمایا، ہاں میں نے ان کو سو مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ دیکھا ہے کہ وہ قبر اطہر پر آئے اور عرض کیا:-

"السلام علی النبی، السلام علی ابی بکر، السلام علی ابی" (وفاء الوفا)

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں، کہ:-

"سنت یہ ہے کہ قبر مبارک پر قبلہ کی جانب سے حاضر ہو اور قبلہ کی جانب پشت کرے اور قبر مبارک کی جانب منھ کرے اور اس طرح سلام عرض کرے:-

السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (وفاء الوفا)

فتوح الشام میں ہے کہ جب امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے بیت المقدس والوں سے صلح کی تو حضرت کعب احبارؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، حضرت عمرؓ کو ان کے اسلام لانے سے بہت خوشی ہوئی اور آپ نے ان سے فرمایا:-

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم میرے ساتھ مدینۂ منورہ چلو اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر مبارک کی زیارت کرو، اور زیارت کے منافع سے متمتع اور مستفید ہو۔ کعب احبارؒ نے کہا: امیر المومنین میں اس کے لئے تیار ہوں، ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ جب امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ واپس مدینۂ منورہ پہنچے تو اول مسجد نبویؐ میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں سلام عرض کیا" (وفاء الوفا)

"امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز اپنے دورِ خلافت میں مُلکِ شام سے قاصد بھیجا کرتے تھے، تاکہ وہ بارگاہِ رسالت میں ان کا سلام پہنچائے۔" (دفاء الوفا)

صاحب قبر کا اپنے پاس آنے والے کو پہچاننا اور اس کے سلام کا جواب دینا اور اس سے مانوس ہونا سید الانبیاء والمرسلین یا دیگر انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جب مومنین کی قبر پر کوئی مومن جاتا ہے تو صاحب قبر اُس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے، جیسا کہ بکثرت روایات سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:۔

"جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر گذرتا ہے جس سے واقفیت ہو اور اس کو سلام کرتا ہے تو صاحب قبر اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔"

(دفاء الوفا)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی روایت میں ہے:۔

"جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے، صاحب قبر اس سے مانوس رہتا ہے۔" (دفاء الوفا)

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:۔

"جب کوئی شخص کسی کی قبر پر گذرتا ہے جس سے واقفیت ہو اور اس کو سلام کرتا ہے تو صاحب قبر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کو پہچانتا ہے، اور جب کسی ایسی قبر پر گذر ہو جس سے واقفیت نہ ہو اور اس پر سلام کرتا ہے تو صاحب قبر اُس کے سلام کا جواب تو دیتا ہے، مگر پہچانتا نہیں۔" (دفاء الوفا)

صحابۂ کرام سے اس قسم کے اقوال بکثرت منقول ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں فرماتے ہیں، کہ شہداء بلکہ تمام مومنین جب کوئی مسلمان ان کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور ان کو سلام کرتا ہے تو وہ زائر کو پہچانتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ جب عام مومنین کا یہ حال ہے تو سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تو بدرجۂ اولیٰ اپنے زائر کو پہچانتے ہیں، اور اس کے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں؛ اسلئے کہ تمام انبیاء کرام حیات ہیں، ان کے لئے انتقال مکانی تو ضرور ہے مگر ان کی ارواحِ مقدسہ اور اجسامِ مطہرہ کے لئے فنا اور عدم نہیں ہے اللہ رب العالمین نے سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دنیا میں ہمیشہ کے لئے بھیجا ہے جب آپ کی تعلیمات اور رسالت و نبوت ہمیشہ کیلئے ہے تو آپ کا وجودِ مقدس بھی ہمیشہ کے لئے ہے۔ آپ کی حیات طیبہ کے دو رُخ ہیں، ایک رُخ وہ ہے جب جمال نبوت کو ہر شخص دیکھ سکتا تھا، دوسرا رخ وہ ہے جب جمالِ نبوت کو نگاہوں سے پوشیدہ کر دیا گیا، جب

نگاہوں سے جمالِ جہاں آرا کی تاب وصلاحیت مفقود ہوگئی اور قدر شناس جاں نثار صحابہ کرامؓ کی بقدرِ ضرورت تعداد پوری ہوگئی تو جمالِ نبوت اور آفتابِ رسالت کو نگاہوں سے مستور کر دیا گیا، اگرچہ اب نگاہیں جمالِ محمدیؐ سے محروم ہیں لیکن نگاہِ نبویؐ اب بھی ہر زائر کو دیکھتی ہے اور اپنا اُمتی ہونے کی حیثیت سے پہچانتی ہے، اس کے سلام کو شرفِ قبولیت عطا ہوتا ہے، اور جوابِ سلام سے نوازا جاتا ہے۔

"شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را"

پس ایمان اور اسلام کے بعد سب سے بڑی سعادت اور کرامت یہ ہے کہ عظمت و محبت کے ساتھ ایک بار نگاہیں جمالِ محمدیؐ کو دیکھ لیں اور نگاہِ نبویؐ کسی کے رخسار پر پڑ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ساری اُمت کے اولیاء اور صلحاء کسی ایک صحابیؓ کے رتبے کو نہیں پہونچ سکتے۔ اور اگر اپنی نگاہیں جمالِ محمدیؐ کے دیکھنے سے عاجز اور قاصر ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر کوئی سعادت وکرامت نہیں ہو سکتی کہ خود جمالِ محمدیؐ اور نگاہِ نبویؐ کے سامنے ہو اور آفتابِ رسالت کی شعاع اس پر پڑ رہی ہو، یہی وجہ ہے کہ ہر حال میں بارگاہِ رسالت میں حاضری سراسر سعادت وکرامت ہے اور موجبِ رافت و رحمت ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:۔

"ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما": اور اگر یہ لوگ جب ظلم کیا تھا اپنے پر آتے آپکے پاس، اور مغفرت چاہتے اللہ تعالیٰ سے، اور مغفرت چاہتے اُن کے لئے رسول بھی، تو پاتے یہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا، رحمت کرنے والا"

آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاکار مسلمان کی آخری پناہ گاہ بارگاہِ رسالت ہے، اگر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کوئی مسلمان اپنے قصور کا اعتراف کرے اور اللہ سے معافی کا خواستگار ہو اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس اعتراف قصور کی شہادت دیں اور معافی کی سفارش فرمائیں تو بارگاہِ رب العزت سے توبہ کا دروازہ اس کے لئے کھلا ہوا ہے اور ہر طرح رحمتِ خداوندی کا مستحق اور سزاوار ہے۔ اس شخص کا بیتاب اور بے قرار ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونا اور بارگاہِ رسالت کی جانب سے اس پر نظرِ رحمت و شفقت مبذول ہونا اللہ رب العزت کی رافت و رحمت کا آخری ذریعہ ہے، اور یہ ذریعہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں پر انعامِ ربانی ہے، آج بھی جو شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگا تو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اس کے لئے بارگاہِ رب العزت میں خصوصی سفارش فرما دیں گے، جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سُنا آپنے ارشاد فرمایا:۔

"من زارنی کنت لہ شھیدا او شفیعا یوم القیامۃ" (البحر العمیق، ابن الضیاء)

(جو شخص میری زیارت کرے، میں اُس کے لئے قیامت میں گواہ یا سفارشی ہوں گا)

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"من زار قبری وجبت لہٗ شفاعتی" (فضائل عن البزار والدار قطنی وابن خزیمہ)

جو شخص میری قبر کی زیارت کرے اُس کے لئے میری سفارش لازم ہو جاتی ہے ـــــ"

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"من جائنی زائرا لا یھمہٗ الا زیارتی کان حقاً علیّ ان اکون لہٗ شفیعاً"

(جو زائر میرے پاس آئے اور اس کا مقصد محض میری زیارت ہو تو میرے لئے لازمی ہے کہ میں اس کا سفارشی بنوں)۔ (فضائل عن الطبرانی)

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"من زارنی فی المدینۃ محتسباً کان فی جواری وکنت لہٗ شفیعاً یوم القیامۃ"

(جو شخص ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری زیارت کرے وہ روزِ حشر میرے پڑوس میں ہوگا اور میں اس کا سفارشی ہوں گا)۔ (فضائل عن العقیلی والبیھقی)

اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اب اگرچہ نگاہیں جمالِ محمدیؐ سے محروم ہیں لیکن جمالِ محمدیؐ اسی شان سے جلوہ افروز ہے اور اپنے زائر کو مستفیض اور بہرہ اندوز فرما رہا ہے، جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہے، کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات دائمی ہے، یہ وفات کا جو پردہ پڑا ہوا ہے محض ظاہری ہے، اور آج بھی بارگاہِ رسالت کی حاضری تقریباً وہی لطف و لذت رکھتی ہے جو صحابۂ کرامؓ کو نصیب اور میسر تھا، جو کچھ قصور اور کوتاہی ہے وہ ہم دیکھنے والوں کی کور چشمی کی بدولت ہے، ورنہ جمالِ محمدیؐ اسی آن و شان سے نمایاں اور آشکارا ہے۔

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"من زارنی بعد وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی" (جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی) ـــــــــــــ

(فضائل عن الطبرانی والدار قطنی والبیھقی)

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"من حج فزار قبری بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی" (جس شخص نے حج کیا، پھر میری وفات کے بعد میری زیارت کی، وہ ایسا ہے کہ اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی)۔ (فضائل عن المشکوٰۃ)

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے، کہ:۔

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دفن کے تین روز بعد ایک بدوی آیا اور قبر مبارک پر پڑ گیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے جو کچھ فرمایا ہم نے آپکے فرمان کو سنا اور جو کچھ آپنے اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہنچایا وہ ہم نے آپ سے لیا، آپ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی " ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ الآیۃ " میں نے اپنے پر ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس سفارش اور طلب مغفرت کیلئے آیا ہوں ۔ قبر مبارک سے آواز آئی " انہ قد غفر لک " (بیشک تیری مغفرت کردی گئی)۔" (وفاء الوفا)

علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے اور توبہ و استغفار کرنے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دعائے مغفرت طلب کرنے کی تاکید اور ترغیب ہے اور یہ منقبت اور فضیلت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کی وجہ سے منقطع نہیں ہوئی اس لئے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تمام مومنوں کے لئے طلب مغفرت متحقق ہو چکا ــــ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے :۔

" واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات " (اور مغفرت طلب کرو اپنے گناہوں کیلئے اور مومن مردوں اور عورتوں کیلئے)۔"

اب جو شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے لئے استغفار کرے تو اس کے لئے تینوں امور جمع ہو گئے بارگاہ رسالت میں حاضری بھی، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس کے لئے استغفار بھی، اور خود اس کا اپنے لئے استغفار بھی، اور ان تینوں امور کا اجتماع توبہ کی قبولیت اور نزول رحمت کا ذریعہ ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے چونکہ حیات جاودانی ہے اس لئے اب بھی جب امت کے اعمال آپ کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں تو آپ امت کے لئے طلب مغفرت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا :۔

"میری حیات تمہارے لئے خیر ہے، تم مجھ سے بات کرتے ہو اور میں تم سے، اور میری وفات بھی تمہارے لئے خیر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے میں اگر اچھے عمل دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور شکر ادا کروں گا اور اگر برے عمل دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے طلب مغفرت کروں گا۔" (وفاء الوفا از بزار)

آپ کی شان کریمی اور کمال رحمت و شفقت سے بہت مستبعد ہے کہ کوئی مسلمان آپ کے حضور میں اللہ رب العزت سے مغفرت طلب کرے اور آپ اس کے لئے دعائے مغفرت نہ فرمائیں، یہی وجہ ہے کہ علماء امت نے آیت کریمہ کو آپ کی حیات اور وفات دونوں حالتوں کے لئے عام رکھا ہے، اور وہ اس امر کو مستحسن قرار دیتے ہیں کہ جب قبر مبارک کی

حاضر ہو تو اس آیت کریمہ کی تلاوت کرے اور بارگاہ رب العزت سے مغفرت طلب کرے، اور اس کو آداب زیارت سے شمار کرتے ہیں اسی لئے اکثر علماء اس بدوی کے مشہور واقعہ کو ضرور نقل کرتے ہیں جس نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یہ آیت تلاوت کی اور توبہ اور استغفار کیا۔

محمد بن حرب ہلالی فرماتے ہیں، کہ:-

"میں مدینۂ منورہ حاضر ہوا، قبر مبارک کی زیارت کی اور سامنے بیٹھ گیا، ایک بدوی آیا اور اس نے قبر مبارک کی زیارت کی پھر عرض کیا:- رسولوں کے سرتاج اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی اور اس میں ارشاد فرمایا ولو انھم اذ ظلموا انفسھم الآیۃ اب میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں، اپنے گناہوں کی آپ کے پروردگار سے معافی چاہتا ہوں اور آپ سے شفاعت اور سفارش کا خواہاں ہوں، پھر وہ بدوی رو دیا اور یہ اشعار پڑھے:-

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ	فطاب من طیبھن القاع والاکم
اے بہترین ان کے جن کا جسم زمین میں دفن کیا گیا	پس مہک گئے اس کی خوشبو سے میدان اور ٹیلے
نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ	فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم
میری جان قربان ہو اس قبر پر جس میں آپ مقیم ہیں	اس میں عفت ہے اور اس میں جود و کرم ہے
انت الشفیع الذی ترجیٰ شفاعتہ	علی الصراط اذا ما زلت القدم
آپ ایسے سفارشی ہیں جن سے سفارش کی امید ہے	پل صراط پر جبکہ قدم پھسل رہے ہوں گے
وصاحباک لا انساھما ابداً	منی السلام علیکم ما جری القلم[1]
اور آپ کے جو دو ساتھی ہیں میں انکو کبھی نہیں بھول سکتا	میری طرف سے آپ سب پر سلام جب تک قلم چلتے رہیں

محمد بن حرب فرماتے ہیں:- وہ بدوی استغفار کر کے چلا گیا اور میری آنکھ لگ گئی، خواب میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت ہوئی اور آپ نے ارشاد فرمایا:- "اس شخص سے ملو اور اس کو خوشخبری سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے میری سفارش کی وجہ سے اسکی مغفرت فرما دی۔" پھر میری آنکھ کھل گئی، اس بدوی کو ہر چند تلاش کیا مگر کہیں نہ ملا"

(وفاء الوفا)

[1] آخر کے دو شعر حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری نے مناسک امام نووی سے نقل کئے ہیں۔ ۱۲

ایک دوسرے اعرابی کا واقعہ اسی نوع کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پہلے منقول ہو چکا ہے، علماء اور محدثین کا ان واقعات کو بہ التزام نقل کرنا اس کے استحسان کی کھلی شہادت ہے، پھر جب اللہ پر رسول پر ایمان رکھنے والے ذوق و شوق اور حسرت و ندامت کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوں تو اللہ رب العزت کا اپنے حبیب پاک کو حکم ہے کہ ان کو محروم اور مایوس نہ جانے دو، ان کا خیر مقدم السلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) سے کرو، اور ان کو مغفرت اور معافی کا مژدہ سنا دو۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:۔

"واذا جاءك الذين يؤمنون بآياتنا فقل سلام عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة انه من عمل منكم سوءً بجهالة ثم تاب من بعده واصلح فانه غفور رحيم ۔ (اور جب آئیں تمہارے پاس وہ لوگ جو مانتے ہیں ہماری آیتوں کو تو کہو سلام ہو تم پر، واجب کیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر مہربانی کو، کہ جو کرے تم میں سے برائی نادانی سے، پھر توبہ کرے اس کے بعد، اور پھر سنور جائے تو اللہ بہت بڑا بخشنے والا بہت مہربان ہے)"

پس جو مومن بھی آستانۂ نبوت پر حاضر ہو کر سلام عرض کرے گا اس کو سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے "السلام علیکم" کی سعادت نصیب ہوگی، جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ اور اس زائر کی توبہ و شرمندگی اور راستی و نیک روی پر اللہ رب العزت کی مغفرت و رحمت کی بشارت نصیب ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

قبور کی زیارت چند اغراض کے لئے کی جاتی ہے۔ اوّل تاکہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاددہانی ہو، اسی غرض کے لئے مومنوں کی قبروں کی زیارت مستحب قرار دی گئی ہو۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:۔

"زوروا القبور فانها تذكركم الآخرة ۔ (قبور کی زیارت کیا کرو، اس سے آخرت کی یاددہانی ہوتی ہے)" (وفاء الوفا)

دوسرے تاکہ اہلِ قبور کے لئے دعائے مغفرت ہو اور ان کے لئے ترقی درجات ہو اسی لئے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ اہلِ بقیع کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ تیسرے صاحبِ قبر کے اثرات اور برکات زیارت کرنے والے پر پڑیں اور صاحبِ قبر کی زندگی سے سبق حاصل ہو، اور اس نمونے کے موافق زندگی گزارنے کی رغبت پیدا ہو۔ چوتھے تاکہ اہلِ قبور کے حقوق مودت اور قرابت کی ایک گونہ ادائیگی اور تلافی ہو جائے، جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"آنس ما يكون الميت في قبره اذا زاره من كان يحبه في دار الدنيا" (مُردہ قبر میں زیادہ مانوس اور مسرور اس وقت ہوتا ہے جب اس کی زیارت وہ شخص کرے جس سے زندگی میں محبت ہو)" (وفاء الوفا)

حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی ایک حدیث میں ہے کہ "جب تک زیارت کرنے والا قبر پر بیٹھا رہتا ہے مردہ اس سے مانوس رہتا ہے اور خوش ہوتا ہے" ایک اور حدیث میں ہے:۔

"جو شخص والدین کی یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کرے تو اس کو فرمانبردار وں میں لکھ دیا جاتا ہے، اگرچہ وہ ان کی زندگی میں نافرمان ہو"۔ (وفاء الوفا)

اور یہ چاروں امور بدرجۂ اولیٰ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روضۂ اطہر کی زیارت میں پائے جاتے ہیں، کتاب وسنت کی پوری پوری تعلیمات آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں اور دنیا و آخرت معاش اور معاد کا پورا نقشہ کھنچ جاتا ہے، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رفع مراتب اور ترقیِ درجات کے لئے درود و سلام زبان سے جاری ہو جاتا ہے، پوری زندگی کو اسوۂ حسنہ نبوی کے موافق گذارنے اور اتباعِ سنت کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں، اور اس ذریعہ سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حقوق کی ایک گونہ ادائیگی اور مکافات ہو جاتی ہے، اسی لئے روضۂ اطہر کی زیارت کو بھی حقوق اسلام سے قرار دیا گیا ہے اور ہر مسلمان پر یہ حق لازم ہے کہ وہ بارگاہِ رسالت کی زیارت کی سعادت حاصل کرے۔ چنانچہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے:۔

"المدینة بها قبری وبها بیتی وتربتی وحق علی کل مسلم زیارتها"

(مدینہ میں میرا گھر ہے اور اسی میں میری قبر ہوگی، اور ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ اس کی زیارت کرے)۔ (فضائل عن الاتحاف عن ابی داؤد)

پس اس حق اسلامی سے اعراض کرنا بڑی بدقسمتی اور ناسمجھی اور بدترین جرم اور ظلم ہے۔ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی" (جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا، اور میری زیارت نہ کی، اس نے مجھ پر ظلم کیا)۔ (فضائل عن ابن عدی)

حج بیت اللہ مسلمان پر اللہ رب العزت کا حق ہے، اور روضۂ اطہر کی زیارت بارگاہِ رسالت کا حق ہے، ایک حق کو ادا کرنا اور دوسرے حق کی ادائیگی سے اعراض کرنا، بارگاہِ رسالت کی انتہائی ناقدری ہے جو بدترین ظلم ہے، اور جفا کا کھلا مظاہرہ ہے۔ اس احسان فراموشی اور ناقدر شناسی کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جس قدر بھی احساس ہو کم ہے۔

اور اگر اللہ اور رسول دونوں کے حق کو ادا کر دیا، حج بھی ادا کیا اور روضۂ اطہر کی زیارت بھی کی، تو دونوں حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش ہو گیا، اور دُہرے انعام و اکرام کا مستحق ہو گیا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:۔

"من حج الی مکۃ ثم قصدنی فی مسجدی کتب لہ حجتان مبرورتان" (جس شخص نے مکہ جاکر حج کیا، پھر میری مسجد میں میری زیارت کے لئے آیا اُس کے لئے دو حج مقبول لکھے جاتے ہیں)۔ (فضائل عن الدیلمی)

حج کے اصلی معنی قصد اور ارادہ کے ہیں، پس جس شخص نے بارگاہِ خداوندی کی حاضری دی اور پھر بارگاہِ رسالت میں حاضری کا ارادہ کر کے اس کو پورا کیا، اس کو دونوں ارادوں کا مستقل اجر و ثواب عطا ہوگا، اور دو مقبول حج کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اسی لئے علماء اُمت اور فقہاء مذاہب اربعہ بارگاہِ نبوی کی حاضری کو عبادت شمار کرتے ہیں جو تقرب خداوندی کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ چند حضرات کے علاوہ جن کا خلاف کچھ معتبر نہیں، بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت اہم ترین نیکیوں سے ہے، اور افضل ترین عبادت ہے، اور اعلیٰ درجات تک پہنچنے کا کامیاب ذریعہ، اور پُراُمید وسیلہ ہے، اس کا درجہ واجبات کے قریب ہے، بلکہ بعض علماء نے واجب کہا ہے۔ بارگاہِ رسالت میں حاضری کی وسعت و مقدرت ہوتے ہوئے بھی اس سے اعراض کرنا بڑی نادانی اور جفاکاری ہے بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ وہاں قیام کے ارادے سے جانا مکہ مکرمہ میں قیام کے ارادے سے جانے سے افضل ہے یعنی حج کے ارادے سے جانا تو اعلیٰ مقام ہے، محض قیام کے ارادے سے جانے میں مدینۂ منورہ کی جانب جانا افضل ہے۔ درمختار میں لکھا ہے کہ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبرِ مبارک کی زیارت مندوب ہے، بلکہ بعض علماء نے اس شخص کے حق میں جس میں وسعت ہو واجب کہا ہے۔ علامہ شامی کہتے ہیں کہ خیر رملی نے علامہ ابن حجر سے اس قول کو نقل کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے۔

شافعیہ کے مقتدا امام نووی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی کتاب مناسک حج میں لکھتے ہیں کہ جب حج سے فارغ ہوجائے تو چاہیے کہ حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبرِ مبارک کی زیارت کی نیت سے مدینۂ منورہ کا ارادہ کرے اس لئے کہ قبرِ مبارک کی زیارت اہم ترین عبادت اور کامیاب سعی ہے۔

مذہب مالکیہ کی کتاب "انوارِ ساطعہ" میں لکھا ہے کہ:۔ "ہمارے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبرِ مبارک کی زیارت پسندیدہ سنت ہے، جو شرعاً مطلوب و مرغوب ہے، اور اللہ جل شانہٗ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے اعلیٰ شے ہے"۔

قاضی عیاض مالکی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب "شفا" میں لکھا ہے، کہ حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبرِ مبارک کی زیارت مجمع علیہ اہل السنت ہے، بلکہ بعض علماء مالکیہ نے اس کو واجب قرار دیا ہے، جیسا کہ قسطلانی نے "مواہب لدنیہ" میں ابو عمران فارسی کا قول نقل کیا ہے۔

فقہ حنبلی کی مستند اور معتمد کتاب "مغنی" میں لکھا ہے، کہ حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر شریف کی زیارت مستحب ہے

اس لئے کہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"جو شخص حج کرے، پھر میری قبر کی زیارت کرے، اُس نے گویا زندگی میں میری زیارت کی۔"

اور ایک حدیث میں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"جس نے میری قبر کی زیارت کی، اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔"

اور امام احمد (رحمۃ اللہ علیہ) سے منقول ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کرے تو میں اُس کا جواب دیتا ہوں۔"

حنابلہ کی اہم کتاب "شرح کبیر" میں لکھا ہے، کہ:۔

"جب حج سے فارغ ہوجائے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے دونوں رفقاء کی قبر کی زیارت کرے۔"

فقہ حنبلی کے مشہور متن دلیل الطالب میں مسائلِ حج کے بعد لکھا ہے، کہ:۔

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے دونوں رفقاء کی قبر کی زیارت مسنون ہے۔"

اس کے شارح "نیل المآرب" میں لکھتے ہیں:۔

"اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنا بھی مستحب ہے، اس لئے کہ حاجی حج کے بعد بغیر سفر کئے ان کی زیارت کیسے کر سکتا ہے۔"

فقہ حنبلی کی دوسری کتاب "روض المربع" میں لکھا ہے، کہ:۔

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر اطہر اور آپ کے دونوں رفقاء کی قبر کی زیارت مستحب ہے۔"

اس لئے، کہ حدیث میں آیا ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:۔

"جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی، وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں میری زیارت کی۔"

ان سب اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ نبوی کی حاضری اور روضۂ مطہرہ کی زیارت کا استحباب اور استحسان ائمہ اربعہ کے یہاں متفق علیہ مسئلہ ہے، اسی لئے بعض علماء نے اس کو اجماعی مسئلہ بتایا ہے۔ (فضائلِ حج)۔ البتہ بعض علماء محدثین نے بعض روایات کی بناء پر یہ ضروری قرار دیا ہے کہ روضۂ اطہر کی زیارت کے ساتھ مسجدِ نبوی کی زیارت کی بھی نیت کرے اور مقصدِ سفر مشترک ہو۔

"ہجومِ تمنّا"

زائرِ حرم:-
(حضرت حمید صدیقی لکھنوی)

نصیب آزمانے کو جی چاہتا ہے
مدینے میں جانے کو جی چاہتا ہے

ہجومِ تمنّا سے بیتاب ہے دل
یہ محفل سجانے کو جی چاہتا ہے

بہت دُور اب تک رہا ہوں میں تم سے
بہت پاس آنے کو جی چاہتا ہے

جہاں کیلئے وقف ہیں میرے سجدے
اُسی در پہ جانے کو جی چاہتا ہے

بظاہر بھر آئے ہیں آنکھوں میں آنسو
مگر مُسکرانے کو جی چاہتا ہے

کبھی دل کو تاکیدِ ضبطِ مسلسل
کبھی گُدگُدانے کو جی چاہتا ہے

ذرا بھی جہاں دخل ہو ماسوا کا
وہ پردہ اُٹھانے کو جی چاہتا ہے

نمایاں نمایاں ہیں کچھ ایسے جلوے
نظر میں چھپانے کو جی چاہتا ہے

تصور کو عینِ حضوری بنا دو
کہ نزدیک آنے کو جی چاہتا ہے

جہاں آگیا یاد وہ آستانہ
وہیں سر جھکانے کو جی چاہتا ہے

مقامِ ادب ہے درِ پاک، لیکن
یہاں لڑکھڑانے کو جی چاہتا ہے

مدینے کی گلیوں میں اک اک قدم پر
خزانے لُٹانے کو جی چاہتا ہے

کشش ہے وہ طیبہ کے دیوار و در میں
گلے سے لگانے کو جی چاہتا ہے

عجب دلکشی ہے ریاضِ قبا میں
نشیمن بنانے کو جی چاہتا ہے

ترے سائے میں اے بقیعِ مبارک
ہمارا بھی آنے کو جی چاہتا ہے

حمیدؔ اب یہ ہے شادکامی کا عالم
کہ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے

"سفرِ حجاز"

ذیل کا مضمون دراصل مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی کتاب "سفرِ حجاز" کے تازہ اڈیشن کا "تعارف" ہے لیکن افادیت اور دلچسپی کے لحاظ سے گویا ایک مستقل مقالہ ہے، کتاب کے مختلف ابواب کے جو اقتباسات اس مضمون میں درج ہیں امید ہے کہ ناظرین کرام ان کے مطالعہ سے مستفیذ بھی ہوں گے اور ایک خاص لطف ولذت بھی محسوس کریں گے۔ صاحب مضمون اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ مدیر

اردو میں حج کے سفرناموں کی ماشاء اللہ کمی نہیں، چھوٹے اور بڑے 'مختصر اور ضخیم' واقعات و مشاہداتِ سفر پر مشتمل اور اس مبارک سفر کے دوران میں جذبات و واردات قلبی کی ترجمانی کرنے والے سفرنامے کثرت سے شائع ہو چکے ہیں اور تقریباً ہر سال اس فہرست میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، لیکن ان سفرناموں میں جو سفرنامے اپنی جامعیت، دلکشی اور ظاہری و معنوی خوبیوں کے اعتبار سے سرِ فہرست تسلیم کیے گئے ہیں، انھیں میں ایک مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی سابق مدیر "سچ لکھنؤ" (جو اب صدق جدید کے نام سے لکھنؤ ہی سے شائع ہوتا ہے) کا سفرنامہ حجاز ہے، مولانا نے یہ سفر ۱۹۲۹ء میں کیا تھا، اور واپسی کے بعد، مشاہداتِ سفر، اپنے اخبار "سچ" میں بالاقساط شائع کرنے کے بعد انھیں کتابی شکل میں مرتب کیا تھا، یہ سفرنامہ اس زمانہ میں خوب مقبول ہوا، اب اس کا نقشِ ثانی بہت کچھ ترمیم لفظی و معنوی، بہت کچھ اضافہ اور مکمل نظرِ ثانی کے بعد، صدق جدید بک ایجنسی لکھنؤ کے زیرِ اہتمام شائع ہوا ہے۔ پہلے اڈیشن کے دیباچہ میں فاضل گرامی مولانا سید سلیمان ندوی نے اس سفرنامے کے بارہ میں تحریر فرمایا تھا۔

"اس سے پہلے جو سفرنامے لکھے گئے تھے، یا وہ صرف عالمِ جذبات کی باتیں تھیں یا محض ایک سیاح و وقائع نگار کے روزنامچے تھے، یا فقیہانہ مسائل اور حج و مناسک کے ہدایت نامے یا عام حجاج سفرِ حج کے لیے گائڈ بکیں تھیں، اس سفرنامہ کی خصوصیت، ان سب متفرق حیثیتوں کی دلکش جامعیت ہے۔ سفرنامہ کے مختلف ابواب اور مباحث میں اس کا مصنف کہیں مورخ ہے، کہیں فقیہ، کہیں محدث کہیں صوفی، کہیں شاعر، کہیں سیاسی، غرض اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جس کی حاجی کو اپنے سفر کے

اتار چڑھاؤ کی مختلف حالتوں اور کیفیتوں میں ضرورت پیش آتی ہو ...... لیکن اس سفرنامہ کی اصلی حیثیت اور حقیقی عظمت میری نگاہ میں دو باتوں سے ہو۔ ایک اس کی انشا پردازی کہ مصنف کے قلم نے اس میں انتہائی سادگی کا کمال حسن دکھایا ہو، سہل الفاظ، سادہ ترکیبیں اور پھر شاعرانہ تخییل اس لیے انشا کی حیثیت سے اس کی اہمیت بہت کافی ہو۔ دوسری چیز، وہ تاثرات اور وجدانیات ہیں جو اس کتاب کے فقرہ فقرہ سے نمایاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ صاحب دل مصنف نے کاغذ کی سطح پر اپنے دل کے ٹکڑے پھیلا دیے ہیں ...... ان کے قلم نے ان کے دل کی ایسی ترجمانی کی ہو اور روح نے جسم کا ایسا قالب اختیار کیا ہو کہ باطن ظاہر، محجوب منکشف اور نادیدہ دیدنی بن گیا ہے ...... انھوں نے یہ صفحات لکھ کر ہماری زبان، ادب، تاریخ، جغرافیہ، فقہ اور تصوف سب پر احسان کیا ہو، اور ظاہر و باطن، لفظ و معنی اور روح و جسم کے مختلف مناظر و مظاہر کا ایک ایسا دلکش نظارہ گاہ تیار کیا ہو کہ ہر خیال و ذوق کا آدمی اپنے اپنے خیال و ذوق کے مطابق اس سے بہرہ ور ہو سکتا ہو۔"

سفر حجاز کے اس دوسرے ایڈیشن کی ضخامت ۱۰۶ صفحات ہو اور قیمت للعہ ر۔ کتاب دو دیباچوں (ایک دیباچہ مولانا سید سلیمان کے قلم سے اور دوسرا خود مولانا دریابادی کے قلم سے جو اس طبع ثانی ہی کے لیے لکھا گیا ہے)، دو مضمونوں الوداع اور واپسی (جو سفر حج سے قبل اور بعد اخبار سچ لکھنؤ میں شائع ہوئے تھے) چالیس باب، چار ضمیموں اور دو تکملوں پر مشتمل ہو۔ تین ضمیمے خود مولانا کے قلم کے ہیں، اور چوتھا ضمیمہ مولانا کے ایک مخلص عزیز کا ہو جنھوں نے ۱۹۳۷ء (۱۳۵۵ھ) میں حج کیا تھا۔ آخر کے دو ضروری تکملے، ۱۹۴۸ء کے دو حج کرنے والوں احمد غریب صاحب میمن (بمبئی)، اور مولانا محمد اویس ندوی نگرامی کے قلم کے ہیں، جن سے عازمین حج کو سفر کے سلسلہ کی تازہ ترین معلومات، جہازوں کے کرایہ، اونٹ اور لاری کے مصارف سفر، ٹیکس وغیرہ کے بارہ میں حاصل ہو سکتی ہیں۔

نفس کتاب شروع ہونے سے قبل مولانا کا مضمون "الوداع" ہر عازم حج کے لیے قابل مطالعہ ہو، مولانا نے یہ لکھنے کے بعد کہ یہ الوداع ماہ رمضان کی سالانہ "الوداع" نہیں، ناظرین سچ سے ان کے خادم مدیر سچ کی الوداع ہو۔ فریضۂ حج کی اہمیت کو اپنے موثر انداز تحریر میں یوں ظاہر کیا ہو، اور آپ بیتی کا نام لے کر دوسروں کو اس حل خبر پر اکسانے کے ساتھ ان کی غفلت و تساہل پر باندازِ لطیف متنبہ کیا ہو:-

"حج بیت اللہ چند شرائط کے جمع ہو جانے پر ہر مسلمان پر اسی طرح فرض عین ہو جس طرح ہر روز پانچ وقت کی نماز۔ یہاں نماز ہی کا فریضہ کب خوشدلی اور اپنے شرائط کے ساتھ ادا

ہو پاتا ہو جس میں نہ کچھ خرچ ہو اور نہ کوئی خاص محنت، جو فریضۂ حج کے نہ ادا کرنے کا رونا رویا جائے گھڑیاں خاموشی اور تیزی کے ساتھ گزرتی رہیں، دن ہفتوں میں ہفتے مہینوں میں مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے رہے اور اس فریضہ کی ادائی کا خیال تک نہ آیا، کلام مجید کی آیات میں اور رسولؐ برحق کی احادیث میں خدا معلوم کتنی بار ادائے حج کی فرضیت اور تاکید نظر سے گزری اور عدم ادائی حج کی وعیدیں بار بار پڑھیں، پر قلب کی غفلتوں اور نفس کی شرارتوں اور ہوش و خرد کی ہرزہ کاریوں نے ہمیشہ مشورہ یہی دیا کہ یہ اوامر و احکام دوسروں ہی کے لیے ہیں، اپنے کو ان سے کیا تعلق، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہو کہ عمر کی کتنی بیش بہا فرصتیں اور زندگی کی کتنی جا کر نہ آنے والی مہلتیں، اس غفلت، اس بے حسی اور اس قساوت قلب کی نذر ہو گئیں، ہندوستان کے طول و عرض میں بیشمار سفر، بہ ضرورت اور بلا ضرورت کر ڈالے، لیکن جو ایک ہی جگہ سفر کرنے اور حاضری دینے کی تھی۔ وہاں سر کے بل چلنا کجا، پیروں کے بل بھی جانا نصیب میں نہ آیا۔ بنگلوں اور کوٹھیوں، حویلیوں اور ڈیوڑھیوں کے گرد چکر لگانے پر ایک عمر گزر گئی، پر وہ آستان پاک جو اس قابل تھا کہ اس کے گرد طواف کرنے میں ساری عمر تمام کر دی جاتی اور اس پر پروانہ وار اپنی جان نثار کر دی جاتی گردش تقدیر نے محروم رکھا تو اسی کی جبیں سائی سے فلک کے گوشے گوشے کی سیر کر ڈالی، پر نہ توفیق ہوئی تو ایک اس سرزمین کی زیارت سے مشرف ہونے کی جس کی سربلندی پر آسمان کو بھی رشک ہو۔" (ص۱۲)

اصل کتاب جیسا کہ اوپر عرض ہو چکا ہو چالیس ابواب پر مشتمل ہو، شروع کے دو ابواب سفر کے ابتدائی مراحل، بشمول قیام بمبئی پر مشتمل ہیں۔ باب سوم تا ششم جہاز کے سمندری سفر کی نذر ہیں، اور اس میں قرنطینہ کامران کے شدائد کا بھی ذکر ہو، بحمد اللہ کہ اب ان شدائد سے حازمین حج کو نجات حاصل ہو چکی ہو، ساتواں باب قیام جدہ کی تفصیلات پر مشتمل ہو، باب ہشتم راہ مدینہ پر ہو، پھر نویں باب سے لے کر انیسویں باب تک قیام مدینہ کے مشاہدات و تاثرات ہیں، ان میں دسواں باب "آستانۂ نبوت" گیارھواں باب "گنبد خضرا" بارھواں باب زیارت اور آداب زیارت" خاص طور سے قابل مطالعہ اور مولف کے واردات قلبی کے ترجمان ہیں، لیکن والہانہ جوش عقیدت کے ساتھ کسی ایک جگہ بھی ہوش نے ساتھ نہیں چھوڑا ہو، اور احترام شریعت، انتہائی فقیہانہ جزئیات کے ساتھ ہر جگہ محفوظ رہا ہو، پندرھویں، سولھویں اور سترھویں ابواب کے عنوانات "انوار مدینہ" "آثار مدینہ" اور "دیار حبیب" ہیں، یہ بھی انھیں خصوصیات کے حامل اور ساتھ ہی ادب اور انشاء کے بہترین شاہکار ہیں، بار بار پڑھیے، لیکن طبیعت سیر نہ ہو، انیسویں باب میں "احرام پوشی" کا طریقہ اور آداب باطنی و ظاہری بسط و تفصیل

کے ساتھ درج ہو۔ بیسواں باب مدینہ منورہ سے جدہ اور جدہ سے مکۂ معظمہ کے سفر کی روداد پر ہو، اکیسویں باب کا عنوان سواد مکہ ہو، اس کے بعد کے ابواب کتاب کی اصل جان اور مؤلف کے قلب کی قلم کے ذریعہ بہترین اور موثر ترین ترجمانی کی اپنی مثال آپ ہیں۔ تاثرات قلبی کے ساتھ ساتھ احکام ومناسک حج بھی بیان ہوتے گئے ہیں اور سفر میں پیش آنے والی دقتوں، دشواریوں اور دوسری معلومات سفر کا ذکر بھی موجود ہے، قیام مکہ وسفر عرفات ومنیٰ کے سلسلہ کے ابواب ۲۲ تا ۳۷ ہیں۔ ان میں "حج رب البیت" والا باب خاص طور سے ارباب ذوق کے لیے وجد آفریں ہو، اسی طرح "حریم قدس" "کعبۂ مقصود" اور "دیار خلیل" نامی ابواب بھی، ۳۸ واں باب "جملہ معترضہ" ہو جس میں حاجیوں پر ناخدا ترس معلّمین (مطوفین) کے مظالم کا ذکر ہے، ۳۹ واں باب جدہ اور آغاز سفر مراجعت پر ہو، آخری باب میں جہازنہ کے سفر واپسی، آمد بمبئی، اور وطن واپس پہونچنے کی کیفیت مختصراً درج ہو۔

کتاب کا اجمالی تعارف ہو چکا، اب اس کی کچھ تفصیل بھی ملاحظہ ہو، جس کے ساتھ کتاب کے بعض اقتباسات بھی پیش کیے جائیں گے۔

باب اول میں آغاز سفر ملاحظہ ہو، ادیبانہ سحر کاری کے ساتھ ساتھ قلبی عقیدت کے کتنے گہرے رنگ میں ڈوبا ہوا ہو:-

"عید ہر سال آتی ہو، اب کی عید ہر سال کی معمولی عید نہ تھی، کسی کے آستانہ پر ذوق جبیں سائی دل کو بیتاب کیے ہوئے تھا، کسی کے دربار میں حاضری کا دن ایک ایک کر کے گنا جا رہا تھا، رمضان ختم ہوا، عید آئی، انتظار کی گھڑیاں گئیں، وعدۂ دیدار پورا ہونے کی ساعت آئی، ہجوری کے بعد حضوری، انتظار کے بعد دیدار، پیاس کے بعد سیرابی، جس کارفرمائے فطرت نے ازل سے یہ قانون رکھ دیا ہو، اسی نے ماہ مبارک کا خاتمہ موسم حج کے آغاز پر رکھا ہو، آج "اشہر معلومات" حج کا مشہور معروف موسم علین اس وقت سے شروع ہوتا ہو جب آخری روزہ اور آخری افطار، آخری تراویح اور آخری سحری سے فراغت ہو چکتی ہو، مبارک ہیں ماہ مبارک کی راتوں کی وہ بیداریاں جو کسی کی آرزوئے دید میں بسر ہوں اور مبارک ہیں ماہ مبارک کے بھوک اور پیاس اور ضعف اور تڑپ والے وہ دن جن کا خاتمہ کسی کی گلی کے طواف وسعی پر ہو۔

انبساط عید، دیدن روئے تو   عیدگاہ ما غریباں کوئے تو
صد ہزاراں عید قربانت کنم   اے ہلال ماہ خم ابروے تو

سفر سیر وتفریح کے لیے نہ تھا، تحصیل علوم وتکمیل فنون کے لیے نہ تھا، علمی وادبی تحقیقات

تاریخی و اثری "تفتیش" کے لیے نہ تھا، کشمیر و شملہ کا نہ تھا، لندن و پیرس، آکسفورڈ و کیمبرج کا نہ تھا
ہاں وہاں کے لیے بھی نہ تھا جہاں گرج گرج کر تقریریں کی جاتی ہیں اور جھگڑ جھگڑ کر رزولیوشن
پاس ہوتے ہیں، سفر جلجلاتی ہوئی ریگ والی زمین کی طرف تھا، گرمی کے موسم میں اس آسمان
کی چھت کے نیچے تھا، جس کا آفتاب تمتمایا ہوا ہو، ہوٹلوں اور پارکوں، آبشاروں اور سبزہ زاروں
کی طرف نہ تھا، خشک اور چٹیل میدانوں، بے آب و گیاہ ویرانوں اور آگ و خاک برسانے
والے ریگستان کی جانب تھا، ایک گنہ گار امتی، اپنے شفیع و شفیق آقا کے آستانے پر حاضر ہو رہا تھا،
بندے کی حاضری اپنے مولی کے دربار میں تھی، بھاگا ہوا غلام تھک کر اور ہار کر، پچھتا کر اور شرما کر پھر
اپنے مالک کی طرف رخ کر رہا تھا، ذرہ آرزو مند تھا کہ آفتاب کی تابش سے جگمگا اٹھے، قطرہ کو
ہوس ہوئی کہ بحر بے کنار کے وصل کا لطف اٹھائے، مشت خاک کو یہ دماغ ہوا کہ نور پاک کے
جاروب کشوں کی فہرست میں اپنا نام لکھائے۔ جو کچھ بھی نہ تھا اسے یہ ولولہ ہوا کہ جو سب کچھ ہو،
اُس سے تعلق اور پیوند پیدا کیا جائے ؎

ہے آرزو کہ ابروئے پرخم کو دیکھیے　　　اس حوصلے کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے

صفحہ ۲۱ و ۲۲

باب پنجم میں سمندر کے سفر کے سلسلہ میں قلم کی روانی کا ایک نمونہ، جس کے آخر میں الایمان
بین الخوف و الرجاء کی تشریح بھی کی گئی ہے:-

"صبح اٹھ کر دیکھا تو ہر طرف عالم آب، جہاں تک بھی نظر کام کرتی ہے، بجز پانی کے اور کچھ
دکھائی نہیں دیتا، اپنی عمر میں یہ منظر کبھی کاہے کو دیکھا تھا، بڑے سے بڑے دریا جو اب تک
دیکھے تھے وہ بھلا سمندر کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام
اور شام سے پھر صبح، نہ کہیں جہاز رکتا ہے نہ کوئی اسٹیشن آتا ہے، ہر وقت ایک ہی فضا محیط، ہر سمت
ایک ہی منظر قائم، دن طلوع ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں۔ راتیں آتی ہیں اور گزر جاتی
ہیں، نہ کوئی خط، نہ کوئی تار، نہ اخبارات نہ ڈاک کے انبار، نہ کسی عزیز کی خبر نہ دوست کی،
نہ اپنوں کا حال معلوم نہ بیگانوں کا، اپنا مٹی کا گھروندا ہے کہ ہر لحظہ پیچھے چھوٹتا جا رہا ہے، پر
وہ گھر جسے لامکان کے مکین نے اپنا گھر کہہ کر پکارا ہے، ہر آن نزدیک سے نزدیک تر ہوتا جا رہا ہے۔
زمین چھوٹ گئی ہے لیکن آسمان نہ چھوٹا، ادھر جہاز ہوا اور پانی سے ہچکولے کھا رہا ہے ادھر دل
کی کشتی ہے کہ یاس و امید کی کشمکش میں، ابھی ڈوبی اور ابھی ابھری (خدا نہ کرے کہ کبھی بھی ڈوبے)

دل ابھی اپنی اس خوش نصیبی پر نازاں کہ کشش کس کو کہاں سے کہاں لے جا رہی ہے، اور ابھی اس خوف سے لرزاں کہ اپنی محرومیوں اور شور بختیوں سے دیکھیے اب بھی نجات ملتی ہے یا نہیں، ابوجہل اور ابولہب تو آخر عمر بھر اسی بیت اللہ کے جوار میں رہے پھر انھیں تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا، مدینہ کے منافق روزانہ دیدار رسولؐ سے مشرف ہوتے رہے پھر ان کے دلوں کے پتھر تو نہ پسیجے! —

لیکن یہ کیا وہم آرائی اور کیسی پریشاں خیالی ہے، وہ کریم جو اپنے گھر مہمان بلا رہا ہے، کیا وہ اپنے در کے گداگروں کی جھولی میں بھیک بھی نہ ڈالے گا۔ اس کی رحمت کی فراوانی اور کرم کی ارزانی نہ حق کو دیکھتی ہے نہ استحقاق کو۔ اسے تو محض عطا و بخشش محض نوازنے اور سرفراز نے سے سروکار ہے اور بس۔ (صفحہ ۵۴)

جہاز پر احرام پوشی کا منظر اور اسلام کی مساوات کے بے مثال عملی نمونہ کا ذکر صفحہ ۶۹ پر یوں شروع ہوا ہے:-

"دیکھتے ہی دیکھتے پوشش و لباس کے سارے امتیازات مٹ گئے ..... ابھی کل تک جہاز کی اس وسیع آبادی میں بڑے بھی تھے اور چھوٹے بھی، امیر بھی اور فقیر بھی۔ رئیس بھی اور مزدور بھی، خوشحال بھی اور مفلس بھی، عالم بھی اور جاہل بھی، نامور بھی اور گمنام بھی۔ تعلقدار بھی اور رعایا بھی، مجسٹریٹ بھی اور چپراسی بھی، پر آج کس کو کس سے شناخت کیا جائے گا؟ —— سب سے بڑے مہاراجہ اور شہنشاہ اعظم کی راجدھانی کے حدود شروع ہو گئے۔ اب نہ کوئی راجہ ہے نہ کوئی ٹھاکر، سب کے سب اسی کے پرجا، کل کے کل اسی کے چاکر، سارے کے سارے اسی کی رعایا ہیں! مالک کے دربار کی سرحدیں شروع ہو گئیں، اب نہ کوئی بڑا ہے نہ کوئی چھوٹا، نہ کوئی امیر ہے نہ کوئی وزیر، نہ کوئی عالم ہے نہ کوئی حاکم، نہ کوئی خان بہادر ہے نہ کوئی لیڈر، سارے کے سارے اسی ملک الملوک کے غلام ہیں اور سب کے سب اسی کے بیکس اور بے بس بندے، اب نہ ہیٹ ہے نہ پگڑی، نہ عمامہ ہے نہ شملہ، نہ ترکی ٹوپی ہے نہ گاندھی کیپ، نہ قمیص ہے نہ عبا، نہ کوٹ ہے نہ شیروانی، نہ کالر ہے نہ ٹائی، نہ پتلون ہے نہ پاجامہ، سب کی زبان پر لبیک کے ترانے ہیں اور سب کے جسموں پر بے سلی ہوئی دو دو چادریں۔ یہ وائسرائے کا دربار نہیں، ہائیکورٹ کی عدالت نہیں! یہاں نہ ایوننگ ڈریس کی ضرورت نہ گون کی حاجت، نہ پاتابہ نہ دستانہ کی احتیاج! یہ اللہ کے دربار کی حاضری ہے۔ یہ اسی قدرت اور حکومت والے، اسی عزت و جلالت والے کے دربار کی حاضری ہے جو لاٹ صاحب اور بڑے لاٹ صاحب، جرمنی کے ڈکٹیٹر اور برطانیہ کے

تاجدار، روس کے صدر اعظم اور امریکہ کے صدر جمہوریہ، اٹلی کے مسولینی اور انگلستان کے چرچل، ترکی کے مصطفے کمال اور ہندستان کے جواہر لال سب کی زندگیوں اور جانوں کا یکساں مالک ہے۔ اس دربار کی وردی سب سے انوکھی، سب سے نرالی، اور سب سے الگ ہے، یہاں قدر زریں کلاہوں کی نہیں، یہاں عزت زرنگین قباؤں کی نہیں، یہاں طلب صرف کفن پوشوں کی ہے، یا ان کی جو انھیں کی سی وضع اختیار کیے ہیں، ان کی جو جیتے جی مردوں کا لباس پہن چکے ہیں، ان کی جو اس لباس کی یاد تازہ کیے ہوئے ہیں جس کے زیب تن کرنے کے بعد پھر قطعاً کوئی دنیاوی لباس جسم کو مس نہ کرسکے گا! مبارک ہیں وہ جو زندگی میں موت کا لباس پہن چکے ہیں، مبارک تر ہیں وہ جو زندگی میں اپنے نفسوں کو مُردہ کر چکے ہیں! آج ان کا لباس ہی مردوں کا لباس نہیں، ان کا نفس بھی تو مُردوں کا نفس بن چکا ہے۔ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج لڑنا جھگڑنا شہوتوں اور خواہشوں میں مبتلا ہونا زندوں کا کام ہے، مردوں کو بھی کسی نے رفث اور فسوق اور جدال میں مبتلا دیکھا ہے"

جدہ پہونچ کر وہاں کی سرزمین پر تفریح اور مغربیت کی کارفرمائی دیکھ کر مؤلف کو جو صدمہ پہونچا اس کا اظہار کتنے مؤثر اور اور عبرت انگیز پیرایہ میں کیا ہے، فرنگی صاحب اقتدار قوموں کی حکومت اور تمدن کے لیے یاجوجی حکومت اور یاجوجی تمدن کا لفظ مولانا نے اپنی تحریروں میں کثرت سے استعمال کیا ہے اور اس موقع پر بھی اسے استعمال میں لاتے ہیں :-

"جدہ سرزمین عرب کا پھاٹک ہے۔ حکومت اسلام کا پہلا شہر ہے۔ برا یا بھلا جیسا بھی ہے اپنا ہے، اپنوں اور اپنے والوں کی چاہت کسے نہیں ہوتی؟ ——— لیکن اے سب عزتوں کے مالک، ایک گستاخ مشت خاک کو یہ کہنے کی اجازت دے کہ ——— اب تو کسی کو بھی اپنا کہتے ہوئے دل لرزتا ہے اور زبان ہچکچاتی ہے، خیر قرطبہ، غرناطہ کو تو مدت ہوئی بھول چکے، لیکن ابھی کل کی بات ہے کہ بصرہ اپنا تھا، بغداد اپنا تھا، حلب اپنا تھا، بیروت اپنا تھا، دمشق اپنا تھا بیت المقدس اپنا تھا، قاہرہ اپنا تھا۔ استنبول اپنا تھا، اور کچھ ہی قبل شاہجہاں آباد بھی اپنا تھا اکبر آباد اپنا تھا، حیدرآباد اپنا تھا، لکھنؤ اپنا تھا، مرشد آباد اپنا تھا، عظیم آباد اپنا تھا، سورت اپنا تھا بیجاپور اپنا تھا، کرناٹک اپنا تھا، آج ان میں سے کوئی اپنا ہے؟ پھر جدہ غریب کی خیر کب تک منائی جا سکتی ہے؟ یاجوج کا پھریرا، گو آج ضابطہ و رسم کے ساتھ وہاں نہ لہرا رہا ہو، لیکن جدہ کے کوچہ و بازار در و دیوار سب یاجوج ہی کی عظمت کے نقیب بن چکے ہیں۔ وہ کانوں میں مال ہے

تو ولایتی، جسموں پر لباس ہو تو ولایتی، بازاروں میں سودا ہو تو ولایتی، مکانوں میں سامان ہو تو ولایتی، عقلیں مرعوب، قلوب مفلوج! کس چیز سے دل کو سمجھائیے اور کیا کہہ کر اپنے کو دھوکا دیجیے! سرزمین اسلام کا اسلامی شہر! اور دل ترستا رہ گیا کہ کسی محدث کی زیارت سے آنکھیں روشن ہوں، کسی بزرگ صاحب باطن کی نگاہ گرم دل کو گرمائے، کسی فقیہ کے حلقۂ درس افتا کی تازگی و شگفتگی، تھکے ماندے مسافر کی خستگی و ماندگی کو دور کر دے! پر آہ یہ کچھ بھی نہ ہونا تھا ہر تمنا ناکام اور ہر آرزو منفعل ہو کر رہنی تھی، سو ہو کر رہی، مسجد میں نماز کئی وقت پڑھی، پر شہر کے عمائد و اکابر، ایک وقت بھی مسجد کے اندر نہ دکھائی دیے، اور دل نے تاسف کے ساتھ کہا کہ اکبر مرحوم کا تجربہ ع

کونسل میں بہت سید، مسجد میں فقط جمن

ہندستان ہی تک محدود نہ تھا، دریائے جمنا کا کنارا ہو یا بحر احمر کا ساحل، آج مسجد کی آبادی جہاں کہیں بھی قائم ہو، میاں جمن ہی کے دم سے ہے" • صـ۷۷ و ۷۸

مدینہ طیبہ پہونچنے، آستانۂ نبوت پر حاضری دینے کے مناظر، کہیں کہیں سے ملاحظہ ہوں:۔

"آج کی صبح کتنی مبارک صبح ہو، آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہو آج ذرہ آفتاب بن رہا ہو، آج بھاگا ہوا غلام اپنے آقا و مولا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہو۔ آج گنہ گار امتی کو شفیع و شفیق رسول (صلعم) کے آستانہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہو۔ ہندستان کی عورتیں ذیقعدہ کو "خالی" کا مہینہ کہتی ہیں، پر جس کے نصیب میں اس "خالی" مہینہ میں اس دولت سے مالا مال ہونا مقدر ہو چکا ہو وہ اس مہینہ کو کیا کہہ کر پکارے؟ "جمعرات" کو قافیہ کی رعایت سے "پیروں کی کرامات" کہتے ہیں..... لیکن جس جمعرات کو کسی کی قسمت میں یہ کرامت لکھی ہو، اس کا تو جی میں آتا ہو کہ پیروں اور بزرگوں کی نہیں، تباہ کاروں اور سیاہ کاروں کی کرامات نام رکھیے.......

سارا قافلہ ذوق و شوق کی تصویر، اور تو اور بخودی شوق تک چند لمحوں کے لیے بجائے "بخودی" کے "وجدی" بنا ہوا..... ایک سرگشتہ و دیوانہ، عقل سے دور، علم سے بیگانہ، نہ گریاں نہ شاداں، نہ اپنی حضوری کی خوش بختی پر خوش اور نہ تباہ کاریوں کی یاد پر مغموم، بس اس الجھن میں گرفتار کہ یا الٰہی یہ خواب ہو یا بیداری، کہاں یہ ارض پاک اور کہاں یہ بے مایہ مشت خاک! کہاں مدینہ کی سرزمین اور کہاں اس ننگ خلائق کی جبیں! کہاں سید الانبیاء کا

آستانہ اور کہاں اس رُوسیاہ کا سر و شانہ، وہ پاک سر زمین کہ اگر اس پر قدسیوں کو بھی چلنا نصیب ہو تو ان کے فخر و شان کا نصیبا جاگ اُٹھے، اور کہاں ایک آوارہ و ناکارہ، بے تکلف اسے پامال کرنے کی جرأت کر بیٹھے......

جسے دیکھیے مواجہہ شریف کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے، اس وقت رخ قبلہ کی جانب نہیں، پتھر سے تعمیر کیے ہوئے کعبہ کی جانب نہیں، بلکہ اس کے درِ اقدس کی جانب ہو جو دلوں کا کعبہ اور روحوں کا قبلہ ہے، کسی کا نالہ جگر گداز، کسی کے لب پر آہ و فریاد، ہر شخص اپنے اپنے حال میں گرفتار، ہر متنفس اپنے اپنے کیف میں سرشار، گنہ گاروں اور خطا کاروں کی بن آئی ہے، آستانِ شفیع المذنبین تک رسائی ہو!

سجدوں سے اور بڑھتی ہو رفعت جبین کی

یہاں بھی نہ پائیں گے تو کہاں جائیں گے، آج بھی نہ گڑگڑائیں گے تو کدھر سر ٹکرائیں گے ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک الخ کا وعدہ پورا ہونے کے لیے ہے، محض لفظ ہی لفظ نہیں ہیں!

آئیے سفر کی اصل منزل مکہ معظمہ کا رُخ اس کتاب کی رہنمائی میں کریں، حرم شریف کے ذکر میں آیۂ کریمہ واذن فی الناس بالحج..... من کل فج عمیق کی شرح دیکھتے چلیے:-

"اب تک آیت کے محض الفاظ کا مطالعہ ہوا تھا معنی کا مشاہدہ آج شروع ہوا۔ خدا معلوم آس پاس سے آنے والے کتنے پاپیادہ اور دور دراز سے آنے والے کتنے سواریوں پر، ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ دس بیس ہوں، سو پچاس ہوں تو کوئی گننے کی کوشش بھی کرے، ٹڈی دل کو شمار کرنے کی ہمت کوئی کہاں سے لائے! عزیمت اور حوصلہ والے پاپیادہ ہیں، رخصت اور اجازت والے سواریوں پر سوار ہیں، اونٹ اور اونٹنیاں بھی ہر قسم کی خوش رنگ بھی، بدرنگ بھی، بڑی بھی، چھوٹی بھی، وحشی بھی، شائستہ بھی، سفید بھی، سیاہ بھی، سرخ بھی، بادامی بھی، مگر سب کی سب فرط مشقت سے چور چور، اور آنے والے کہاں کہاں کے، کوئی ایک دو ملک ہوں تو نام گنائے جائیں، نجد کے، یمن کے، عراق کے، شام کے، مصر کے، اناطولیہ کے، فلسطین کے، کردستان کے، سوڈان کے، طرابلس کے، مراقش کے، زنجبار کے، ٹیونس کے حبشہ کے، ایران کے، افغانستان کے، بلوچستان کے، بخارا کے، ترکستان کے، چین کے، جاوا کے، بمبئی کے، حیدرآباد کے، سیلون کے، دہلی کے لکھنؤ کے، اور خدا معلوم دنیا کے کن کن

گوشوں کے رہنے والے اور روئے زمین کے گن گن حصوں کے بسنے والے من کل فج عمیق کی تفسیر کا مشاہدہ کرانے کو موجود۔

کعبہ کا ذکر، کعبۂ مقصود کے عنوان سے سفر حجاز کا شاید سب سے پُرزور اور پُراثر حصہ ہو، ان اول بیت وضع للناس الخ کی تشریح میں مولانا لکھتے ہیں :-

"اللہ اکبر" یہ کون سا گھر سامنے ہے؟ نگاہیں کس گھر کی دیواروں کی بلائیں لے رہی ہیں؟ یہی تو وہ گھر ہے جس کی بابت کہا گیا ہے "دنیا کے بُت کدہ میں پہلا وہ گھر خدا کا" روئے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ، صدی دو صدی کی تعمیر نہیں، دو ہزار چار ہزار برس کی عمارت نہیں، دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ! کون تاریخ اس وقت کا پتہ بتا سکتی ہے؟ کس نسل انسانی کا حافظہ وہ زمانہ یاد رکھ سکتا ہے؟ جس گھر کی بنیادیں خود آدمؑ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہوں، بنی آدم میں کون اس وقت کی یاد اپنے حافظہ میں محفوظ رکھ سکتا ہے۔

اللہ اللہ، اس طویل اور بے حساب مدت میں، اس ناقابل پیمائش عرصہ میں کتنے عبادت خانے بنے اور بگڑے، کتنے مندر تعمیر ہوئے اور ڈھئے، کتنے گرجے آباد ہوئے اور اُجڑے، کیسے کیسے انقلابات زمین نے دیکھے اور آسمان نے دکھلائے، بلندیاں پست ہوئیں اور پستیاں بلند ہوئیں، بابل مٹا، مصر مٹا، چین مٹا، ہندوستان مٹا، ایران مٹا، یونان مٹا، روما مٹا، خدا معلوم کتنے ابھرے اور ابھر کر مٹے، کتنے بڑھے اور بڑھ کر گھٹے، پر ایک عرب کے ریگستان میں، خاک اور ریگ کے سمندر میں، چٹانوں اور پہاڑوں کے وسط میں، وادیوں اور گھاٹیوں کے درمیان، یہ سیاہ چوکور گھر جسے نہ کسی انجینیر نے بنایا نہ کسی مہندس نے، جوں کا توں کھڑا ہے، صدہا طوفان، ہزارہا انقلابات، بیشمار زلزلے آئے اور گزر گئے، اور اس پاک اور پیارے گھر کو نہ کوئی ابرہہ مٹا سکا نہ کوئی زار نکولس اور نہ کوئی گلیڈاسٹن جو اسے مٹانے کو اٹھا، وہ خود مٹ گیا، اور اللہ کے گھر میں اللہ کی جو عبادت آدمؑ اور حواؑ نے کی تھی، وہی آج آدم کے فرزند اور حوا کی بیٹیاں کر رہی ہیں۔ مبارکاً کی تفسیر میں بہت سے اقوال لائے گئے ہیں، لیکن اس کھلی ہوئی برکت، اس مشاہد و محسوس برکت کے بعد کسی اور تفسیر کی ضرورت باقی بھی رہتی ہے۔

(ص ۲۲۴، ۲۲۵)

اس ضمن میں تعمیر کعبہ اور معماران کعبہ کا پر کیف ذکر ہے :-

"کچھ یاد ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ کے بعد اس تعمیر کی تجدید اولاد آدم میں سے کس نے

کی ہو؟ اپنے ہاتھوں میں پتھر اور گارا لے کر کس نے اس کی دیواریں بلند کی ہیں؟ اللہ کے اس گھر کا معمار کون تھا؟ بادشاہوں کے محل تعمیر ہوتے ہیں تو بڑے بڑے کاریگر اور ہنرمند بلائے جاتے ہیں۔ گورنمنٹ ہاؤس تیار ہونے لگتے ہیں تو نامور انجینیروں کی قسمت جاگ جاتی ہو۔ پر اللہ کے گھر کی تیاری کے لیے اپنے سر پر بھاری بھاری پتھر کس نے لادے، اپنے ہاتھ چونے اور مٹی کے گارے میں کس نے سانے؟ عرب کی چلچلاتی ہوئی دوپہروں میں ریگستان کی لو کی لپیٹوں میں بغیر روپیہ اور پیسہ کی مزدوری کی لالچ کے کس مزدور نے اپنے گوشت پوست کو جلایا، تپایا، جھلسایا؟ کون بندہ جواب دے۔ بندوں کا خالق، اس گھر کا مالک، خود اپنی زبان سے اپنے گھر کے مزدور، اور اس مزدور کے نور نظر کا نام چاؤ اور پیار سے لیتا ہو۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل

مزدور جب کام کرتے ہیں، اکثر کچھ گنگناتے جاتے ہیں۔ اللہ کے مزدور بھی جس وقت کام کر رہے تھے، تو اپنی زبانوں پر مہریں نہیں لگائی تھیں۔ جس کا گھر بنا رہے تھے، اسی سے کچھ مانگتے بھی جاتے تھے۔ ہاتھ اگر تعمیر بیت میں مشغول تھے تو دل یاد رب البیت میں۔ دل میں کسی کی یاد تھی تو زبان پر کسی کا نام! عاجزی تھی اور بندگی، مسکنت تھی اور تذلل، پتھر پر پتھر جوڑتے جاتے تھے اور دل کے سوز و گداز کے ساتھ، چشم اشکبار کے ساتھ زبانیں، اسی ذکر میں مشغول تھیں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

العظمۃ للہ! اللہ پر قربان ہونے والوں اللہ کے خلیل کہلانے والوں کی یہ شان ہوتی ہو! اپنے کو مٹا چکے ہیں، مٹا رہے ہیں، پھر بھی دھڑکا یہی لگا ہوا کہ یہ اپنے کو مٹانا بھی قبول ہوتا ہے یا نہیں۔ (صفحہ ۲۲۹۔ ۲۳۰)

میدان عرفات میں حاضری کے سلسلہ میں:۔

"آج کی رحمتیں بے حساب ہیں، اور آج وہ دن ہو کہ شیطان آج سے زیادہ حقیر و ذلیل، مایوس و پریشان کبھی نہیں ہوتا ..... آج کی رحمتوں کی نہ کوئی حد ہو نہ حساب، نہ کوئی اندازہ ہو، نہ پیمانہ، بڑے سے بڑے مجرم آج رہا کیے جاتے ہیں، سب کو عفو عام کی بشارت ہوتی ہو۔ وہ جو ہمہ رحمت و مرحمت اور ہمہ شفقت و مغفرت ہو۔ اس کی تجلیات رحمت، امت کے بڑے سے بڑے تباہ کار کو بھی اپنے آغوش میں لے لیتی ہیں اور اسی کو وہ مولی

اپنے بندوں سے اپنے قریب آجانے سے تعبیر کرتا ہو۔ اور بندوں نے تو اپنے مالک پر خدا معلوم کتنی بار فخر کیا ہی ہوگا، آج وہ دن ہو کہ خود مالک اپنے بندوں پر فخر کرتا ہو۔

(صدا ۲۷)

کتاب کے صرف چند اقتباسات پیش کیے گئے۔ ساری کتاب اسی قسم کی انشا پردازی اور معنوی لطف سے بھری ہوئی ہو، انتخاب کس ٹکڑے کا کیا جائے اور کسے چھوڑا جائے،

کتاب ملنے کا پتہ:۔ صدق جدید بک ایجنسی، کچہری روڈ، لکھنؤ اور کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ، لکھنؤ سے بھی مل سکتی ہے۔

(صہ ۳۳ کا بقیہ)

اور عام گناہوں سے محفوظ رہا، تو وہ ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے روز تھا (بخاری ومسلم)

تربیت اور عہدِ وفا کے بعد یہ تیسری چیز ہے جو حاجی سے زندگی کو پوری طرح اسلامی اور ایمانی زندگی بنانے کا مطالبہ کرتی ہے، اس بشارت کی پکار ہے:۔

"اُدخُلُوا فِی السِّلمِ کافّۃ" ــــــ پورے پورے فرمانبردار اور اطاعت گزار ہو جاؤ

یہ حدیث بتاتی ہے کہ جو شخص حج کو پوری پابندیوں اور اسکے حقوق کیساتھ صحیح صحیح ادا کرے اُسکو ایک نئی زندگی بخشدی جاتی ہے، گویا گناہوں سے پاک صاف کرکے اور پچھلی زندگی کا معاملہ ہلکا کرکے اُسے موقع دیا جاتا ہے کہ اب اپنی زندگی اللہ کے پسندیدہ نقشے اور اس کے رسُولوں کے بتلائے ہوئے نظام کے مطابق گذارے اور اپنے پروردگار کے اس زبردست انعام کی قدر کرتے ہوئے اپنی حیات کے ایک عہد جدید کا آغاز کرے، اور گذری ہوئی زندگی کے وہ تمام رسوا کن ابواب بند کرکے جن سے رحمتِ حق نے خود چشم پوشی کا مژدہ سنا دیا ہے ایک نئے باب کی ابتدا کرے جس کا عنوان ہو "اسلامی زندگی"۔

پورے حج میں اسی کی ٹریننگ ہے، اسی نئے رنگ کیلئے اُدھر ہانک ہے اور قدم قدم پر اسی کا تقاضہ ہے اور حج کے بعد کی زندگی میں یہی دینی انقلاب اس "سفرِ عشق" کے مقبول ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ بارگاہِ عشق میں جانیوالے تو بہت ہوتے ہیں مگر مقبول ہونے والے وہی ہوتے ہیں جو ہمیشہ کیلئے اسیرِ زلفِ یار ہو جائیں، وہ تا دمِ مرگ اس قید سے کبھی چھٹی نہیں پاتے، اور نہ رہائی چاہتے ہیں۔ ؎

مکتبِ عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور   اُس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا

"خلدِ آرزو"

(زائرِ حرم :- حضرت حمید صدیقی لکھنوی)

نزولِ رحمتِ پروردگار دیکھیں گے — کہ پھر حبیبِ خدا کا دیار دیکھیں گے

ہمارے دیدہ و دل پر نہ جانے کیا گزرے — تجلیات کو جب ہمکنار دیکھیں گے

ہمیں بھی روضۂ جنت میں اے صبا لے چل — نشاطِ معرفتِ کردگار دیکھیں گے

لگائیں گے اُسے آنکھوں میں مثلِ خاکِ شفا — جہاں مدینے میں اُڑتا غبار دیکھیں گے

سوادِ گنبدِ خضرا کو ذوالحلیفہ سے — وفورِ شوق میں دیوانہ وار دیکھیں گے

پلٹ پلٹ کے کبھی "روضۂ منور" کو — کبھی "ریاضِ قبا" کی بہار دیکھیں گے

نظر میں لیکے تمنائے دل کی رنگینی — حریمِ قدس کے نقش و نگار دیکھیں گے

طوافِ روضۂ اقدس کرینگے پڑھکے درود — جو اپنے دل کو بہت بیقرار دیکھیں گے

چھڑی ہے بات ادب و شوق میں بہم کیا ہو — درِ حبیب کو جب بار بار دیکھیں گے

بلائے گردشِ لیل و نہار دیکھ چکے — حرم میں رونقِ لیل و نہار دیکھیں گے

پہونچ گئے جو دیارِ نبیؐ میں قسمت سے — تو پھر تجھے بھی غمِ روزگار دیکھیں گے

وداعِ کعبہ

از
حضرتِ عروج (قادری)

رخصت اے رکنِ یمانی، رخصت اے سنگِ سیاہ!
یاد رکھنا میرے آنسو، یاد رکھنا میری آہ!

اے حطیمِ پاک رخصت تجھ سے بھی ہوتا ہوں میں
لب پہ آہِ سرد ہے، دُھنتا ہوں سر، روتا ہوں میں

رخصت اے میزابِ رحمت، الوداع اے بام و در
رخصت اے دیوارِ کعبہ، الوداع اے پاک گھر

الفراق اے رکنِ شامی، الوداع اے مستجار
چُبھ رہے ہیں دل میں کانٹے، ہو رہا ہوں بیقرار

چھُوٹ کر سب سے چلا ہوں، رخصت اے رکنِ عراق
مختصر یہ، ہو رہا ہے ہجرِ کعبہ دل پہ شاق

الوداع اے بابِ کعبہ، الوداع اے ملتزم
یاد رکھنا گریۂ شب، نالہ ہائے صبحدم

آ، لپٹ لوں تجھ سے میں بافِ قلبِ حزیں
جانے تجھ سے پھر لپٹنا ہے کہ قسمت میں نہیں

الوداع اے حفرۂ جبریل، رخصت اے مطاف
چھوڑتا ہوں ہاتھ سے باچشمِ پُرنم اب غلاف

زمزمی! رحمت ہو تجھ پر، میں تو اب واپس چلا
روبروئے کعبہ مجھ کو کاسۂ آخر پلا

الوداع اے چاہِ زمزم، رخصت اے آبِ طہور
تجھ کو پینا دل کی ٹھنڈک، دیکھنا آنکھوں کا نور

اے الٰہ الخلق، ربُّ البیت، ربِّ دو جہاں
یہ دُعا ہے آخری میری کہ پھر لانا یہاں

پڑھ چکا میں آخری جب واجب خلف المقام
ذرے ذرے کو کہا میں نے وداعی السلام

مصباح اللغات یعنی
مکمل عربی اردو لغت
پچاس ہزار سے زیادہ
عربی الفاظ کا جامع و مستند ذخیرہ
کسی ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا جتنا دشوار کام ہے اس سے کچھ وہی حضرات واقف ہیں جنکو اس قسم
کے کام سے سابقہ پڑا ہو، مولانا عبدالحفیظ بلیاوی استاذ ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء کی دس سال کی محنت کا
نچوڑ، المنجد کا نعم البدل اور دسوں کتابوں کا خلاصہ عربی طلبا اور مدرسین کیلئے اس صدی میں بے نظیر
پیشکش جسکی ضخامت ایکہزار سے زائد صفحات اور بڑا سائز تین کالم قیمت مجلد سولہ روپے ۱۶
کتب خانہ الفرقان لکھنؤ سے طلب فرمائیے
حسن معاشرت
از خیر النساء صاحبہ
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
اس رسالہ میں لڑکیوں کو میکہ اور سسرال میں رہنے سہنے اور والدین، شوہر
اعزہ اور برادری کے ساتھ حسن معاشرت کے طریقے اور خانہ داری کے عملی اصول سمجھائے
گئے ہیں، اس رسالہ کا لڑکیوں کے مطالعہ میں رہنا گھر کی آبادی والدین کی رضامندی،
اولاد کی ترقی اور اعزہ کی خوشنودی کا باعث ہو۔ چونکہ عورتوں کی مشکلات کو عورتیں ہی سمجھ سکتی ہیں اسلئے اسکی
ضرورت تھی کہ اس قسم کی کتاب کوئی عورت ہی لکھے، خوشی کا مقام ہو کہ اس کمی کو مولانا ابوالحسن علی کی والدہ ماجدہ
نے اپنے تجربات سے پورا کیا، خوبصورت ٹائٹل، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت بارہ آنے ۱۲؍
زادِ سفر
احادیث کا اردو میں ایک نیا مجموعہ
امام نووی شارح صحیح مسلم کی مقبول کتاب ریاض الصالحین کا سلیس اور عام فہم ترجمہ جس میں صرف
بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد کی وہ صحیح روایات ہیں جن کا تعلق فضائل، اعمال، اخلاق و تہذیب اور
زندگی کے روزمرہ کے احکام و مسائل سے ہو اور جو صحیح روحانیات تقویٰ اخلاص و ایمان
پیدا کرنے کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔
یہ کتاب بہترین دینی مصلح و مربی اور مرشد کا کام کرتی ہو، ہر عنوان کے نیچے پہلے قرآن مجید کی
آیات مع ترجمہ، پھر احادیث ہیں، مترجمہ امۃ اللہ تسنیم، مقدمہ علامہ سید سلیمان ندوی
قیمت چار روپیہ (للعہ)
ملنے کا پتہ:- کتب خانہ الفرقان، گوئن روڈ، لکھنؤ

اسلامی ہند کے طوفانی عہد میں

خدا کا ایک وفادار بندہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ

(از حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی)

شاہ ولی اللہ رحؒ کا دور اسلامی ہند کا سخت طوفانی دور تھا، مغلیہ سلطنت کا زوال و انحطاط ہندستان میں انگریزی اقتدار کا آغاز، سکھ اور مرہٹہ تحریکوں کا زور اور انکے غارتگرانہ ہنگامے نادر شاہ کا خونی سیلاب اور احمد شاہ ابدالی کی تاریخی جنگ، یہ سارے واقعات شاہ صاحبؒ ہی کے زمانہ میں ہوئے اور خود شاہ صاحبؒ ان سے غیر متعلق بھی نہ تھے اس لئے اس مقالہ میں ان تمام واقعات اور انکے اسباب و اثرات کا ذکر بھی اچھی خاصی تفصیل سے آگیا، پھر بتلایا گیا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے فتنوں کے اس طوفانی دور میں اسلام کی خدمت کس طرح کی، اور ان کے طرز عمل سے موجودہ حالات میں ہمیں کیا روشنی ملتی ہے۔

کاغذ سفید چکنا ——— قیمت :- عہر

امام ولی اللہ دہلویؒ

اور

اُن کا فلسفہ!

(از حضرت مولنا عبید اللہ سندھی)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علوم و معارف اور ان کے فلسفہ پر نہایت گہرا علمی مقالہ بلاشبہ نوادر میں سے ہے اور ان کی علمی خصوصیات اور ان کے فلسفہ کی بنیادوں کو سمجھنے کیلئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے، اسمیں پانچ باب ہیں، پہلے باب میں شاہ صاحبؒ کی تعلیم و تربیت اور ہندو حرمین کے اساتذہ و مشائخ سے استفادہ و تحصیل کا بیان ہے دوسرے و تیسرے باب میں علوم قرآن و حدیث میں انکی تجدیدات اور خاص نظریات کی تشریح کی گئی ہے، اور چوتھے اور پانچویں باب میں علی الترتیب فقہ اور تصوف کے بارے میں انکے خاص مجتہدانہ نظریات پر روشنی ڈالی گئی ہے، لیکن صرف اہل علم اور عربی داں حضرات کے مطالعہ کے لائق ہے۔

کاغذ سفید چکنا ——— قیمت :- عمر

تذکرۂ امام ربانی

مجدد الف ثانی نمبر الفرقان کا کتابی اڈیشن

حضرت مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے سوانح و خصائص اور آپ کے اہم تجدیدی کارناموں کا تفصیلی بیان، اکبر اور اس کے منافق و ملحد حواریوں کے گڑھے ہوئے "دین الٰہی" کی تفصیلات، اس زمانہ کے علماء سوء اور ملحد صوفیوں کی تحریفات و تلبیسات اور ان سب گمراہیوں کے اثرات سے اسلام کو اور ہندی مسلمانوں کے ایمان کو بچانے کے لئے حضرت امام ربانی کی مجددانہ جدوجہد اور بارگاہ خداوندی میں چیخ پکار، اور اصلاح و تجدید کے اس مشن میں آپ کی محیر العقول کامیابی اور مغلیہ سلطنت کے رویہ پر آپ کی مساعی و تجدید کا اثر، ان تمام چیزوں کی تفصیل آپ کو "تذکرۂ امام ربانی" کے مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے ——— قیمت :- (عہ)